اصلاح اللسان بمنطق

الحواشی

شرح

ایساغوجی

تصنیف مفتی عطاء الرحمٰن

المکتبۃ الشرعیۃ
شمع کالونی، جی ٹی روڈ
گوجرانوالہ فون-۲۵۹۱۸۳

اصلاح اللسان عطائی

الحواشی

شرح

ایساغوجی

تصنیف مفتی عطاء الرحمن

المکتبۃ الشرعیۃ شمع کالونی جی ٹی روڈ کوجرانوالہ فون ۲۵۹۱۸۲

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: الحواشی شرح ایساغوجی

مصنف: مفتی عطاء الرحمٰن

طبع اول: محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

ملنے کے پتے

مدرسہ بحر العلوم توحید آباد مولانا قاری ظفر اللہ صاحب

جامعہ رحمانیہ فرید ٹاؤن ملتان مفتی عتیق الرحمٰن ربانی صاحب فون: ۵۵۱۷۳۷

مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی	مکتبہ سید احمد شہید لاہور
مکتبہ رحمانیہ لاہور	ادارہ اسلامیات لاہور
مکتبہ امدادیہ ملتان	کتب خانہ مجیدیہ ملتان
مکتبہ رحمانیہ پشاور	مکتبۃ العارفی فیصل آباد
قدیمی کتب خانی کراچی	کتب خانہ صدیقہ اکوڑہ خٹک
مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک	مکتبہ حنفیہ گوجرانوالہ
کتب خانہ رشیدیہ کوئٹہ	اسلامی کتب خانہ سرگودھا
مکتبہ نعمانیہ گوجرانوالہ	المکتبۃ الحسینیہ بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا

ناشر: المکتبہ الشرعیہ شمع کالونی جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

بسم الله الرحمن الرحیم

مبادیات ایساغوجی

ہرعلم کوشروع کرنے سے پہلے چند بنیادی باتوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔جن کی تعداد آٹھ ہے۔اورانکورؤوس ثمانیہ کہتے ہیں۔

(۱) مقام علم (۲) تعریف علم (۳) موضوع علم (۴) غرض علم (۵) واضع علم (۶) وجہ تسمیہ کتاب (۷) مصنف ۔

علم کا مقام جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ پڑھنے میں مزید شوق پیدا ہو۔

تعریف کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ طلب مجہول مطلق لازم نہ آئے۔

موضوع کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ مقصود اور غیر مقصود میں امتیاز ہو جائے۔ ورنہ عدم الامتیاز بین العلوم کی خرابی لازمی آئے گی۔

غرض کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ سعی مبتدی عبث نہ ہو۔

واضع ۔کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ اس کی شان وشوکت دل میں بیٹھ جائے اور محنت کرنے میں مزید دلچسپی پیدا ہو۔ورنہ عدم الاشتیاق في الفن کی خرابی لازمی آئے گی۔

وجہ تسمیہ کتاب ۔کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ معلوم ہو کہ مذکورہ کتاب کے لیے اس کا نام کیوں عمل میں لایا گیا ہے۔

مصنف ۔کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ اس کے مرتبہ علمیت سے کتاب کی اہمیت معلوم ہو کہ اس کتاب کا مصنف جو اتنے مرتبہ والا ہے تو اس کی تصنیف کردہ کتاب بھی اعلی درجہ کی ہوگی ۔ عدم الاشتیاق فی الکتاب کی خرابی لازمی آئے گی۔

حالات مصنف

نام و نسب : مفضل بن عمر ہے۔ اور اثیر الدین کے لقب سے مشہور ہیں۔ عرف مولانا زادہ اور والد کا نام عمر ہے۔ لفظ اثیر اثر الحدیث اذا انقلہ سے ہے فی بمعنی فاعل ہے۔ ای الناقل اثیر کا وزن فعیل ہے۔ اگر بمعنی فاعل ہو تو معنی ہوگا ناقل الدین اور اگر بمعنی مفعول ہو تو معنی ہوگا مختار الدین۔

تحقیق ابھر : آپ ابھر کے باشندے تھے جو روم میں ایک مقام کا نام ہے اس لیے نسبت میں ابھری کہلاتے ہیں۔ ابھر اصل میں آب ہر بمعنی پانی کی چکی چونکہ اس گاؤں میں پن چکیاں بہت ہوتی تھیں اس لیے اس کا نام آب ھر تھا۔ لیکن بعد میں تخفیف بوجہ کثرت استعمال کی تو ابھر ہوگیا۔ جیسے بغداد اصل میں باغ داد تھا۔ عراق کے اندر ایک باغ تھا جس کے نیچے بیٹھ کر نوشیرواں عدل کے فیصلے کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس باغ کا نام باغ داد پڑ گیا یعنی انصاف والا باغ۔ بعد میں تخفیف ہوئی تو بغداد ہوگیا۔

تعارف : آپ بڑے عالم و فاضل اور بلند پایہ محقق و منطقی تھے، امام فخر الدین رازی سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے جیسا کہ علامہ ابن العربی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

تصانیف : آپ نے بہت سے عمدہ اور قابل قدر کتابیں تصنیف کیں جیسے (۱) الاشارات (۲) زبدہ (۳) کشف الحقائق۔ منطق میں مختصر سی تصنیف ہے۔ (۴) المحصول (۵) المعنی۔ علم جدل میں ہے۔ (۶) ایساغوجی۔ منطق میں (۷) ہدایۃ الحکمۃ فلسفہ میں (۸) تنزیل الافکار فی تعدیل الاسرار، اس میں آپ نے قوانین منطقیہ وحکمیہ کی بابت اپنی آخری رائے تحریر فرمائی ہے اور بعض اصول مشہورہ کے فساد پر تنبیہ بھی فرمائی ہے

انہوں نے بہت ساری کتابیں لکھیں ان میں سے دو نصاب وفاق المدارس میں شامل ہیں۔ (۱) ایساغوجی (۲) ہدایۃ الحکمہ۔

وفات : مفضل بن عمر کی تاریخ پیدائش کے بارے میں علم نہیں۔ سنہ وفات میں مختلف اقوال

ہیں۔صاحب معجم نے ۶۶۰ھ لکھا ہے اور یہی راجح قول ہے۔

علم منطق کی تعریف

جس سے پہلے دو تمہیدی جاننا باتیں انتہائی ضروری ہیں۔

(۱) جس طرح آئینہ میں اشیاء کی صورتیں منقش ہو جاتی ہیں ایسے ہی اللہ رب العزت نے انسانی ذہن کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ہر چیز کا عکس اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔

لیکن آئینہ اور انسانی ذہن میں بڑا فرق ہے۔ کہ آئینہ صرف محسوس اور مبصر چیزوں کی صورتیں منقش ہوتی ہیں اور جب کہ انسانی ذہن کے اندر غیر محسوس اور غیر مبصر چیزوں کا عکس بھی آتا ہے جیسے محبت، عدوات، بھوک، پیاس وغیرہ۔

اور اللہ تعالی نے چیزوں کے ادراک کرنے کے لیے انسانی ذہن کو پانچ جاسوس عطا فرمائے ہیں۔ان پانچ جاسوسوں کو حواس خمسہ کہتے ہیں۔

اور وہ یہ ہیں۔(۱) قوت لامسہ (۲) قوت سامعہ (۳) قوت باصرہ (۴) قوت شامہ (۵) قوت ذائقہ۔

(۲) جو چیز ذہن میں آتی ہے اسے علم کہتے ہیں اور جو ذہن میں نہیں آتی اسے جہل کہتے ہیں۔۔ جیسے ایک شخص کو دیکھ کر اس کی آواز سن کر یہ کہتے ہیں کہ زید نہیں عمرو ہے، اس واسطے کہ زید کے دیکھنے اور اس کی آواز سننے سے ہمارے ذہن میں جو صورت اور کیفت آئی ہوئی تھی وہ ایسی نہیں۔ ایسے ہی ناشپاتی کو دیکھ کر، چکھ کر، سونگھ کر، چھو کر ہم کہتے ہیں یہ سیب نہیں اس لیے کہ سیب کو دیکھنے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے سے جو صورت اور کیفیت ذہن میں آئی ہوئی ہے، وہ ایسی نہیں۔ اسی طرح کسی چیز کو میٹھا، کسی کو کھٹا، کسی کو سخت، کسی کو نرم، کسی کو سڑا ہوا، کسی کو خوشبودار وغیرہ اس لیے کہتے ہیں کہ میٹھے، کھٹے کے چکھنے، سخت اور نرم کے چھونے سے، سڑے اور خوشبودار کے سونگھنے سے جو صورت اور کیفیت ذہن میں ائی ہوتی ہے، وہ ایسی ہے۔ غرض اسے معلوم ہوا کہ دیکھنے، چھونے، چکھنے، سننے اور سونگھنے سے ذہن میں ایک صورت آجاتی ہے، اسی طرح کسی بات کے

سمجھنے سے بھی ایک صورت ذہن میں آتی ہے، یہی سب علم ہے

پھر علم مخلوق کی دو قسمیں ہیں۔(۱) تصور (۲) تصدیق۔اور پھر تصور اور تصدیق دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔علم مخلوق کی اقسام ہیں۔

تصدیق تو اس جملہ خبریہ کو کہتے ہیں جو مفید یقین یا مفید ظن غالب ہو۔خواہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ واقعہ کے مطابق ہو جیسے لا اله الا الله محمد رسول الله یا واقعہ کے مطابق نہ ہو جیسے قول کفار اتخذ الله ولدا ۔ هولاء شفعائنا عند الله۔

اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں وہ تصور ہیں مثلاً مفرد اسم، فعل، حرف اور مرکب ناقص کی پانچوں اقسام اور جملہ انشائیہ کے اقسام۔

فائدہ: گر جملہ کا ایک حصہ محذوف ہو یا مستتر ہو تو نحاۃ اس کا اعتبار کر کے اس کو جملہ کہتے ہیں۔اسی طرح منطقی حضرات بھی اس کا اعتبار کر کے اس کو تصدیق کہتے ہیں۔جیسے لم یتخذ صاحبۃ ولا ولدا ۔یتخذ کے اندر ھو ضمیر مقدر ہے۔اور اسی طرح من قام کے جواب میں زید اور ما ھذا کے جواب میں کتاب کہا جائے تو تقدیر عبارت یوں ہے قام زید ھذا کتاب یہ تصدیق ہے، البتہ محض "زید اور کتاب" تصور ہے۔

اگر جملے میں یقین یا غالب گمان کا فائدہ نہ ہو۔تب بھی تصور ہے۔

(۱) نظری (۲) بدیہی۔

بدیہی: وہ ہے جس میں سوچ وفکر کی ضرورت نہ ہو۔

نظری: وہ ہے جس میں نظر وفکر کی ضرورت ہو۔

تصور نظری کو تعریف کے ذریعے سے معلوم کیا جاتا ہے اور تصدیق نظر کو دلیل سے ۔

فائدہ: یہ ضروری نہیں کہ جو چیز ایک انسان کے نزدیک نظری ہے، دوسرے کے نزدیک بھی نظری ہو بلکہ ہو سکتا ہے دوسرے کے نزدیک بدیہی ہو۔

فائدہ: بدیہی کا حصول حواس خمسہ، تجربہ، حدس اور عقل کی توجہ سے ہوتا ہے۔

تصدیق بدیہی کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بغیر دلیل کے اس کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ بسا اوقات آدمی سے وہ اوجھل ہو جائے تو اس کے لیے تنبیہ اور خبردار کرنیکی ضرورت ہوتی ہے۔

اور اگر کوئی آدمی بالکل بدیہی چیز کا انکار کرتا ہے۔ مثلاً م النار محرقة کا انکار کرتا ہے تو ایسے شخص کو دلیل دینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس علاج یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آگ کے قریب کیا جائے تو وہ جلدی مان جائے گا۔

فائدہ: ہر فن کے ماہرین کے نزدیک اس فن کے اصطلاحات اور عمومی مسائل تصور بدیہی یا تصدیق بدیہی کے درجہ میں ہوتے ہیں۔ علماء نحو کے نزدیک فاعل، مفعول بہ، مفعول معہ وغیرہ کی اصطلاحات تصور بدیہی کا درجہ رکھتی ہیں اور ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے، تصدیق بدیہی کا درجہ ہے۔

فائدہ: علم کے حصول کے لئے انسان تین ذرائع استعمال کرتا ہے۔

(۱) حواس خمسہ (سننا، دیکھنا، سونگھنا، چھونا، چکھنا) آواز کو سن کر شکل کو دیکھ، خوشبودار چیز کو سونگھ کر، ذائقے کو چکھ کر اور گرمی سردی وغیرہ کو چھو کر معلوم کرتا ہے مثلاً ایک آدمی کہتا ہے مجھے گرمی کا علم نہیں تو اس کا ہاتھ پکڑ کا گرم برتن کو لگائیں اس کو علم ہو جائے گا۔

(۲) خبر صادق بالخصوص انبیاء علیہم السلام کے ارشادات بالکل صادق ہیں اور ان سے نامعلوم چیزوں کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے

(۳) تیسرا ذریعہ عقل ہے کہ دو معلوم چیزوں کو ملا کر تیسری چیز کو علم حاصل کرتے ہیں۔

حواس سے منطقی اس لیے بحث نہیں کرتے کہ وہ ہر کسی کو معلوم ہیں نیز اس سے یہ ضروری نہیں کہ نظری کو بدیہی بنائیں بلکہ ابتداء ہی اس کے ذریعہ علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آپ کسی اجنبی سے ملاقات کرتے ہیں۔ تو اس کو دیکھنے سے آپ نے نظری کو بدیہی نہ کیا بلکہ ابتداء ہی اس کو حاصل کیا اور حواس خمسہ سے حاصل ہونے والا علم بدیہی ہوتا ہے۔

دوسری قسم خبر صادق کو مصنف نے ذکر نہ کیا کیونکہ یہ تیسری قسم میں داخل ہو جاتی ہے

فائدہ: یہ عمومی ضابطہ کہ ہر نظری کو بدیہی کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے انسان اپنے ماحول کے ذریعہ کچھ چیزوں کو بدلہتہً جان لیتا ہے۔ جب تعلیم شروع کرتا ہے تو ان معلومات کا ملا کر تیسری چیز حاصل کرتا ہے جب وہ حاصل ہو کر بدیہی بن جاتی ہے تو اس کی مدد سے ایک اور چیز حاصل کرتا ہے۔

اس طرح دینی تعلیم کا نظام ہے سب سے پہلے صرف ونحو کے قواعد کو بدیہی بنایا جاتا ہے۔ جب وہ بدیہی بن جاتے ہیں تو انسان آگے چلتا ہے پھر فقہ اصول فقہ اور دیگر علوم کے مسائل وقواعد نظریہ کو صرف نحو سے حاصل شدہ استعداد کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔

منطق کی تعریف: الة قانونية تعصم مراعاتها الذهن عن الخطاء فی الفکر یعنی منطق ایسا آلہ قانونی ہے جس کا لحاظ کرنے کی وجہ سے ذہن فکری غلطی سے محفوظ رہتا ہے۔

آلہ کی تعریف: هی الواسطة بین الفاعل ومنفعله فی وصول اثره الیہ۔ (یعنی فاعل کے اثر کو منفصل تک پہنچانے والا جو ذریعہ ہوتا ہے وہ آلہ ہوتا ہے)

فاعل یعنی الموثر (اثر ڈالنے والا) منفعل یعنی المتاثر (اثر قبول کرنے والا) لہذا منطق بھی قوت عاقلہ کے اثر کو اشیاء کے اندر پہنچانے کے لیے آلہ ہے۔ اس وجہ سے اس کو آلہ کہتے ہیں۔

منطق کی وجہ تسمیہ: منطق نطق ینطق سے نطقاً ومنطقاً سے مصدر میمی ہے باب ضرب سے بمعنی گفتگو کرنا۔ قرآن کریم میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علمنا منطق الطیر۔

علم منطق کے نام رکھنے کی تین وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ: یہ علم نطق ظاہری اور باطنی دونوں کا سبب ہے۔

نطق ظاہری: اس سے مراد تکلم اور کلام کرنا ہے۔ تو نطق ظاہری کا اس طرح سبب ہوا کہ منطق پڑھا ہوا آدمی تکلم اور کلام کر زیادہ قوی ہوتا ہے جاہل اور نہ جاننے والے پر۔

نطق باطنی: اس سے ادراک مراد ہے۔تو نطق باطنی کا اس طرح سبب ہوا کہ منطق اشیاء کی حقیقتوں کو پہچانتا ہے اور اس کی اجناس وانواع وفصول ولوازمات وخواص کو جانتا ہے۔لہذا جب یہ علم نطق ظاہری کا بھی سبب ہوا اور نطق باطنی کا بھی تو جو نام مسبب کا تھا (منطق) وہی سبب کا رکھدیا۔اس لئے اس کا نام منطق کہا گیا ہے۔۔یہ تسمیة السبب باسم المسبب۔ کے قبیل سے ہے

دوسری وجہ: منطق اسم ظرف کا صیغہ بھی ہے اس کا معنی ہوگا بولنے کی جگہ۔ بولنے کی جگہ زبان ہے تو جو نام بولنے کی جگہ کا تھا وہی نام علم کا رکھدیا گویا حال کو محل کا نام دیا۔

یہ تسمیة الحال باسم المحل۔کے قبیل سے ہے

قانون کی تعریف: قاعدة كلية تنطبق على جميع جزئياته ليتعرف احكامها منها ۔ایسا قاعدہ کلیہ ہے جو اپنے تمام جزئیات کے احکام پر مشتمل ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمام جزئیات کے احکام کو معلوم کیا جاسکے۔

جزئی کے حکم کو معلوم کرنے کا طریقہ: جزئی کو موضوع اور قاعدے کے موضوع کو محمول بناؤ۔یہ صغری ہوا اور قاعدہ کلیہ کو کبری بناؤ جو نتیجہ نکلے گا وہی جزئی کا حکم ہے۔مثلاً قام زید میں زید کا حکم معلوم کرنا ہے اور یہ جزئی ہے تو اب ہم زید کو قاعدے کے موضوع کے ساتھ صغری اور قاعدہ کلیہ کو کبری بنائیں گے۔مثلاً

کبری	صغری
وكل فاعل مرفوع	زيد في قام زيد فاعل

نتیجہ (حکم)

زيد في قام زيد مرفوع

ذہن کی تعریف: قوة معدة لاكتساب التصورات والتصديقات ۔یعنی ایسی قوت جس کو اللہ تعالی نے تصورات اور تصدیقات معلوم کرنے کے لیے تیار کیا ہے

منطق کی غرض وغایت: صیانة الذهن عن الخطاء في الفکر۔ یعنی ذہن کی فکری غلطی سے حفاظت کرنا۔

منطق کا موضوع: اسمیں دو قول ہیں ایک متقدمین کا ہے اور دوسرا متاخرین کا۔

متقدمین حضرات کے نزدیک علم منطق کا موضوع متقدمین حضرات کے نزدیک علم منطق کا موضوع معقولات ثانیہ ہیں۔

معقولات ثانیہ: لفظ کے تلفظ کے بعد جو چیز ذہن میں سب سے پہلے حاصل ہو وہ معقولات اولیہ ہیں۔ اور ذہن میں آنے کے بعد دوسری مرتبہ جو چیز سب سے پہلے ذہن میں عارض ہو وہ معقولات ثانویہ ہے۔

یعنی اس کلمہ کو اس اعتبار سے دیکھنا کہ وہ کلمہ معرب ہے یا مبنی، واحد ہے یا تثنیہ جمع۔ جنس ہے یا نوع وغیرہ۔ یہ معقولات ثانیہ ہیں۔ جیسے لفظ حیوان اس کی تعریف ھو جسم حساس متحرک بالارادة اس کے لیے معقول اول ہے۔ بعد ازیں جب ہم اس کلمے سے اس اعتبار سے بحث کریں گے کہ حیوان جنس ہے اور جنس ہونا اس کے معقول ثانی کہلائے گا۔ یعنی اولاً لفظ حیوان کا معنی ذہن میں آیا بعدہ اس کا جنس ہونا معلوم ہوا۔

فائدہ: متاخرین فرماتے ہیں کہ:

منطق کا موضوع معلومات تصوری اور معلومات تصدیقی ہیں اس حیثیت سے کہ اس سے مجہول تصوری اور مجہول تصدیقی حاصل ہو جائے۔

فن منطق کا موجد اور اس کی ابتداء:

علم منطق کسی قوم و مذہب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ابتداء تخلیق سے آج تک یہ مسلسل چلا آ رہا ہے اس علم کو سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے بطور معجزہ استعمال کر کے مخالفین کو ساکت و عاجز کیا۔ اس کے بعد حکیم افلاطون (الولود ۴۲۷ قبل المسیح المتوفی ۳۴۷ قبل المسیح) نے منطق کا وضع کیا لیکن یہ تدوین ناقص اور نا تمام رہی اس لیے اس کو معلم اول نہیں کہا جا سکتا۔

علم منطق کا واضع اول علم منطق کے واضع اول کا نام ارسطاطالیس ہے جو اس کے بعد ارسطاطالیس الحکیم ۔ان کو ارسطو بھی کہتے ہیں۔ المولود ۳۸۴ قبل المسیح یونان کے شہر مقدونیہ میں پیدا ہو۔ المتوفی ۳۲۲ قبل المسیح ۔ان کے استاذ کا نام افلاطون اور افلاطون کے استاذ سقراط ہیں۔

جب ارسطاطالیس نے ۱۸ سال کی عمر میں تمام علوم کی تکمیل کر لی تو وقت کے بادشاہ نے اپنے بیٹے سکندر کے لیے ارسطو کو بطور استاد مقرر کیا۔ کہتے ہیں کہ جب سکندر نے مختلف علاقے فتح کر کے وہاں پر سردار مقرر کر دیے تو تو ایک دن اسے خوف لاحق ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ سردار میرے خلاف بغاوت کر دیں اور میری حکومت خطرہ میں پڑ جائے۔ چنانچہ اس اندیشہ سے بچنے کے لیے اس نے اپنے استاد ارسطو سے مشورہ مانگا۔ انہوں نے جواب میں منطقی مشورہ دیا کہ ان سرداروں کو آپس میں لڑاؤ تا کہ یہ آپس میں اتنے مصروف ہو جائیں کہ ان کا خیال تمہاری طرف نہ جائے اور ان پر حکومت کرو۔

ایک دفعہ سکندر نے ایک ملک پر حملہ کرنا چاہا تو سرداروں نے حملہ کرنے سے انکار کر دیا۔ جس سے سکندر کو اور بھی زیادہ تشویش لاحق ہوئی چنانچہ اس نے ایک قاصد مشورہ کے لیے ارسطو کے پاس بھیجا۔ جب قاصد ارسطو کے پاس پہنچا تو سکندر قاصد کو لے کر ایک باغ میں پہنچا اور کدال سے باغ میں موجود خشک جھاڑیوں کو کاٹ کر باہر پھینک دیا۔

گویا یہ بھی ایک منطقی جواب تھا۔ جب قاصد واپس سکندر کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ارسطو نے کیا کہا ہے۔ اس جواب سے اشارہ تھا کہ تمام سرداروں کو قتل کر دو۔ چنانچہ سکندر نے تمام سرداروں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد حملہ کیا تو اس کو فتح نصیب ہوئی۔

نے اسکندر رومی (جو ان کے استاذ اور وزیر تھے) کے حکم پر علم منطق کو تدوین کیا۔ حضرت عیسی علیہ السلام سے ۳۳۲ سال قبل منطق کو کامل طور پر مدون کیا۔ ان کی مشہور کتابوں میں کتاب النفس اور کتاب الحیوان وغیرہ ہیں یہ تدوین یونانی زبان میں ہوئی تھی۔

معلم ثانی:
اس کے بعد ابونصر محمد بن طرخان فارابی (المتوفی ۳۳۹ ہجری) نے تدوین کی بحکم شاہ منصور بن زرح سامانی کے اور یونانی سے عربی کی طرف منتقل کیا۔ فارابی کا علوم فلسفہ میں بڑا وسیع مطالعہ تھا ایک سو گیارہ کتابوں کے مصنف تھے۔

معلم ثالث :اس کے بعد ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا البخاری جن کو شیخ رئیس کہتے ہیں اس (علم) کو انہوں نے مزید وسعت دی اور اس علم کو سہل کر کے پیش کیا یہ کام انہوں نے سلطان مسعود کے حکم سے کیا۔ انہوں نے دس سال کی عمر میں کلام پاک حفظ کیا تھا۔ اور طب (ڈاکٹری) کو لکھا، ادب میں ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ ان کی وفات ۴۲۸ ہجری میں ہوئی، ۱۱۳۰ کتابوں کے مصنف تھے۔

تاریخ علم منطق: علم منطق کے واضع اول ارسطاطالیس کی وفات کے بعد لوگوں کے درمیان علم منطق کے بارے میں فسادات شروع ہو گئے تو وقت کے بادشاہ نے کہا علم منطق کی تمام کتابوں کو ایک کمرہ میں بند کر دیا جائے تا کہ یہ جھگڑا پیدا نہ ہو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یعنی کمرہ میں بند کر دی گئیں اور تالا لگا دیا گیا بعد میں نبیؐ اکرم کی بعثت کے بعد ہارون الرشید کے زمانہ میں ہارون الرشید کو خواب آیا کہ سورج پر تخت بچھا ہوا ہے اور وہ اس تخت پر بیٹھا ہے۔ خلیفہ نے اس خواب کی تعبیر معبرین حضرات سے پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ تو ایک ایسے علم کا آغاز کرے گا جس کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ یعنی ایک ایسے علم کو دوبارہ زندہ کرے گا جس کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ خلفیہ نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ علم علم منطق ہے چنانچہ خلیفہ نے وہ کتابیں منگوائیں جو کمرہ میں بند پڑی ہوئیں تھیں اور محمد ابن اسحاق سے کہا کہ ان کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کریں۔ مگر محمد ابن اسحاق ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ نہ کر سکے تو خلفیہ نے یہ کتابیں محمد ابن طرخان فارابی کو دیں انہوں نے ان کتب کا عربی ترجمہ کیا ابھی ترجمہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ محمد بن طرخان فوت ہو گئے اور کافی کتب ضائع ہو گئیں۔ اس کے بعد ابوعلی سینا جن کا اصل نام ابوعلی حسین بن عبداللہ ابن سینا ہے نے مزید

کاوش اور محنت کی اور تدوین و تشریح کی۔ آج جو کتب منطقیہ اور علم منطق ہمارے پاس ہے وہ انہی کے سبب سے ہے۔

محمد بن طرخان کی چند خوبیاں محمد ابن طرخان بہت اچھا ساز بجاتے تھے۔ ساز کی آواز اتنی دلکش ہوتی تھی کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی رک جاتے تھے۔ کبھی ایسی آواز نکلتی یعنی لے بجاتے کہ لوگ رونے لگ جاتے تھے اور پھر یکدم ایسی سر پیدا کرتے تھے کہ لوگ ہنسنے لگ جاتے۔

ابوعلی سینا کے خواص خمسہ کی خصوصیت ابوعلی سینا کے حواس خمسہ بہت تیز تھے۔ یہاں تک کہ ۱۲ میل تک چکی چلتی تو ان کو اس آواز کی وجہ سے نیند نہ آتی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال الشیخ الامام العلامۃ افضل العلماء المتاخرین قدوۃ الحکماء الراسخین اثیر الدین الابھری طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

ترجمہ فرمایا بزرگ پیشوا، بہت بڑے عالم، متاخرین علماء میں سے افضل، پختہ کار حکماء کے پیشوا نے جو کہ اثیر الدین ابہری ہیں، پاکیزہ بنائے اللہ اس کی مٹی (قبر) کو اور بنائے جنت کو اس کا ٹھکانہ۔

ترکیب قال فعل الشیخ مرفوع بالضمہ لفظا موصوف۔ الامام مرفوع بالضمہ لفظا صفت اول۔ العلامۃ مرفوع بالضمہ لفظا صفت ثانی۔ افضل علماء المتاخرین مرفوع بالضمہ لفظا صفت ثالث۔ قدوۃ الحکماء الراسخین صفت رابع، اثیر الدین ابھری صفت خامس۔ یا بدل۔ موصوف چار صفات یا پانچ صفات سے مل کر قال کا فاعل ہے۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔

[illegible] یہ عبارت مصنف کے شاگرد کی ہے۔ یہ چند جملہ کسی تلمیذ نے اپنے استاذ کی تعریف میں لکھ دئے ہیں۔ مصنف کی کتاب نحمد سے شروع ہوتی ہے۔

الفاظ کی تشریح

﴿شیخ﴾: لغت میں بزرگ کو کہتے ہیں۔ انسان پر مختلف دور گذرتے ہیں۔

(۱) ماں کے پیٹ میں ہو تو "جنین" کہلاتا ہے۔ (۲) جب پیدا ہو جائے تو ولید کہلاتا ہے۔

(۳) جب دودھ پیتا ہے تو "رضیع" کہلاتا ہے۔ (۴) قبل البلوغ "صبی" کہلاتا ہے۔

(۵) قریب البلوغ "مراھق" کہلاتا ہے۔ (۶) بعد البلوغ "شاب" کہلاتا ہے۔

(۷) چالیس (۴۰) سے پچاس (۵۰) سال تک "کہول" کہلاتا ہے۔

(۸) پچاس سالوالے کو "شیخ" کہتے ہیں۔

(۹) پچاس سے اسی ۸۰ سال تک "ہرم" اور اس کے بعد "ھم" کہلاتا ہے۔

اصطلاحی معنی: کہ ہر طبقات میں شیخ کی علیحدہ علیحدہ تعریفیں ہیں ۔

(۱) صوفیاء حضرات کے نزدیک شیخ کی تعریف یہ ہے۔من یحیی السنة ویمیت البدعة ویکون افعاله واقواله حجة للناس ولو کان شاباً۔ جو سنت کو زندہ کرے اور بدعت ختم کرے اور اس کے افعال اور اقوال لوگوں کے لیے حجت ہوں اگر چہ وہ جوان ہو۔

اہل علم وفن شیخ کی تعریف یہ کرتے ہیں من له مهارة كاملة فی فن من الفنون اوعلم من العلوم ولو کان شاباً۔ جس کو فنون میں سے کسی ایک فن میں یا علوم میں سے کسی ایک علم میں مہارت کاملہ حاصل ہو۔ بعض اہل علم حضرات اس شخص کو شیخ کہتے ہیں جس نے کم از کم پانچ کتب لکھی ہوں۔ یہ شیخ کا تیسرا اصطلاحی معنی ہے۔

(۳) علماء منطق وفلسفہ وطب میں شیخ ابوعلی سینا مراد ہوتے ہیں۔

(۴) علمائے ماتریدیہ کے نزدیک شیخ ابومنصور ماتریدی مراد ہوتے ہیں۔

(۵) علمائے اشعریہ کے نزدیک شیخ ابوالحسن اشعری مراد ہوتے ہیں۔

(۶) علمائے اہل کشف کے نزدیک شیخ محی الدین ابن العربی مراد ہوتے ہیں۔

(۷) جب علم صرف ونحو وبیان و بدیع و معانی اور ادب میں مطلق ذکر ہو تو اس سے مراد شیخ عبدالقاہر جرجانی مراد ہوتے ہیں۔

(۸) علمائے تصوف کے نزدیک شیخ عبدالقادر جیلانی مراد ہوتے ہیں۔

(۹) کبھی مطلق شیخ النحو یا شیخ المنطق یا شیخ الجامعہ ذکر ہوتا ہے۔ چونکہ یہ کتاب علم منطق میں ہے اس لیے الشیخ سے مراد شیخ ابوعلی سینا مراد ہونا چاہیے لیکن الشیخ کے آگے جو القاب ذکر کر رہے ہیں اس سے مراد صاحب ایساغوجی مفضل بن عمر مراد ہیں۔

شیخین کا ذکر

(۱) جب قرن اول میں شیخین کا ذکر ہو تو اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما ہوتے ہیں۔(التوفیان ۱۳ھ ۲۳ھ)

(۲) جب کتب فقہ میں شیخین کا ذکر ہو تو مراد حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ ہوتے ہیں۔(التوفیان ۱۵۰ھ ۱۸۱ھ)

(۳) کتب حدیث میں شیخین کا ذکر ہو تو مراد حضرت امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ (التوفی ۲۵۶ھ) اور حضرت امام مسلمؒ ہوتے ہیں (التوفی ۲۶۱ھ)

﴿**امام**﴾: امام کا معنی پیشوا، مقتدا، اصطلاح معنی ہے من یؤتم بہ جسکی اقتدا کی جائے خواہ دنیاوی امور میں یا دینی امور میں۔ اور یہ بھی شیخ کی طرف ہے بحالت وصف تو موصوف پر ہی اطلاق ہوگا۔ اور اگر مطلق مذکور ہو تو صاحبان اور فقہ میں ائمہ فقہ امام صاحب اور امام شافعی وغیرہ مراد ہونگے جس کی فقہ اس کے فقہ پر اطلاق ہوگا اور علم حدیث میں امام بخاری صاحب اور فلسفہ میں امام رازی صاحب اور تصوف میں امام غزالیؒ مراد ہونگے۔

﴿**العلامة**﴾: العلامہ کا معنی زیادہ علم والا اور اصطلاح میں من یکون عالما بالعلوم العقلیة و النتقلیه۔ اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس بہت زیادہ علم ہو۔ بہت زیادہ علم ہونے کے مختلف معیار مقرر کیے گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ علامہ وہ ہے جس نے ہر فن میں کم از کم ایک کتاب لکھی۔ بعض کہتے ہیں علامہ وہ ہے جس کو معقولات میں مہارت تامہ حاصل ہو۔ معقولات سے مراد علم منطق اور علم فلسفہ ہیں۔

اس میں تاء مبالغہ کی ہے۔ اس میں تین مبالغے ہیں:

(۱) صفۃ (۲) تاء مبالغہ (۳) تنوین مبالغہ کے لیے۔

سوال: العلامه صفت ہے الشیخ کی۔ اور الشیخ موصوف مذکر ہے۔ اور صفت العلامه مؤنث ہے تو موصوف صفت میں مطابقت نہ ہوئی۔ حالانکہ موصوف اور صفت کے درمیان

مطابقت ہونا ضروری ہے۔

جواب العلامہ کے آخر میں جو تاء ہے یہ تائے تانیث نہیں بلکہ تائے مبالغہ ہے۔ لہذا موصوف صفت کے درمیان مطابقت پائی گئی۔

فائدہ تا کی کل آٹھ قسمیں ہیں جو ایک شعر میں بند ہیں

تاء تذکیر است وتانیث است وحدت ہم بدل

مصدریت، مبالغہ زائدہ شدہ ہم نقل

(۱)۔تائے تذکیر کی مثال جیسے اربعة رجال۔(۲) تائے تانیث کی مثال جیسے طلحة۔ (۳) تائے وحدت کی مثال جیسے نفخة واحدة۔(۴) تائے بدل کی مثال جیسے عدة اقامة۔(۵) تائے مصدریت جیسے مصدریة فاعلة۔(۶) تائے مبالغہ جیسے العلامة۔ (۷) تائے زائدہ جیسے تضرب۔(۸) تائے نقل کافیة۔

سوال پھر تو اللہ تعالی کو بھی علامہ کہنا چاہیے۔

جواب : یہ تاء اگرچہ مبالغہ کی ہے لیکن اس کے اندر تائے تانیث کا شبہ ضرور ہے۔ اسی وجہ سے اس کا اطلاق اللہ تعالی پر جائز نہیں۔

سوال اللہ تعالی تو تذکیر سے بھی پاک ہیں تو پھر اللہ تعالی کے لیے مذکر کا صیغہ کیوں استعمال کیا جاتا ہے۔

جواب چونکہ مذکر افضل ہے مؤنث سے۔ اسی لیے مذکر کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز ہر کلمہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو مذکر ہوگا یا مؤنث اور تیسرا صیغہ ہے ہی نہیں جو اللہ تعالی کے لیے استعمال کریں۔

افضل : بمعنی بہترین۔ **افضل**: یہ اسم تفضیل ہے۔ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔(۱) الف لام کے ساتھ (۲) من کیساتھ (۳) اضافت کے ساتھ۔ یہاں بطریق اضافت مستعمل ہے۔

علماء: یہ جمع ہے عالم کی۔ بمعنی جاننے والا۔

﴿المتأخرين﴾ یہ جمع ہے متأخر کی۔ متقدمین علماء سے مراد ارسطو سے لے کر فارابی تک کے علماء ہیں۔ متاخرین علماء سے مراد فارابی سے لے کر بوعلی سینا تک کے علماء ہیں۔

علم منطق کے اندر دو اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں۔ ا۔ متقدمین (۲) متاخرین۔ متقدمین وہ علماء جو پہلے آئے اور متقدمین متاخرین سے مراد وہ علماء ہیں جو بعد میں آئے۔ باقی رہی یہ بات کہ کس سے پہلے آنے والے متقدمین ہیں اور کس کے بعد آنے والے متاخرین ہیں۔ تو راجح قول یہ ہے کہ فخر الدین سے پہلے والے علماء متقدمین ہیں جب کہ بعد میں آنے والے متاخرین ہیں۔ اور فخر الدین متقدمین میں سے ہیں یا متاخرین میں سے ہیں تو راجح قول یہی ہے کہ وہ متاخرین میں سے ہیں۔

سوال: علماء متاخرین تو پہلے گذر چکے ہیں کیونکہ بوعلی سینا کے بعد کوئی معتد بہ آدمی نہیں آیا تو یہ متاخرین سے کیا افضل ہے۔

جواب: یہاں لغوی معنی مراد ہے کہ اپنے زمانہ کے علماء جو پہلے علماء کی بنسبت متاخرین ہیں تو یہ ان سے افضل ہے۔

سوال: اپنے زمانہ کے جمیع علماء کیسے افضل ہو سکتا ہے؟

جواب: اس زمانہ سے مراد جو اپنے شہر یا علاقہ یا محلہ وغیرہ کے علماء سے۔

﴿قدوة:﴾ بمعنی پیشوا۔ اس کو قاف کے کسرہ اور ضمہ اور فتحہ تینوں طرح جائز ہے۔

﴿الحکماء﴾ یہ جمع ہے حکیم کی بمعنی دانشمند اور یہ مشتق ہے حکمت سے۔ حکماء: جمع ہے حکیم کی، اصطلاح میں حکیم وہ ہے جو انسانی طاقت کے اعتبار سے تمام احوال کو جانتا ہو امور خارجیہ کو بھی اور موجودہ کو بھی۔

اور حکیم لغت میں راست گفتار و نیک کردار کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں **من اتقن العلم و العمل علی قدر طاقة البشرية** یہ قید اس لیے کہ اگر مجموعہ مراد ہو تو وہ صرف باری تعالیٰ ہے۔ اور

اگر بعض ہو تو ہر آدمی حکیم ہوسکتا ہے۔

حکمت کی اصطلاحی تعریف : ھوعلم باحوال اعیان الموجودات علی ماھی علیه فی نفس الامر بحسب الطاقة البشرية۔

﴿**الراسخین**﴾ یہ جمع ہے راسخ کی بمعنی پختہ کار۔ مراد فن حکمت کے پختہ کار علماء ہیں۔

سوال: راسخین بمعنی پختہ اور یہ معنی حکماء سے مفہوم ہے تو راسخین کا ذکر مستدرک ہے۔

جواب: یہ حکماء کے لیے صفت کاشفہ ہے۔

﴿**اثیر الدین الابھری**﴾: اثیر الدین مصنف کا لقب ہے، اثیر کا معنی مختار ان کا اصل نام مفضل بن عمر ہے)

اثیر کا وزن فعیل ہے۔ اگر بمعنی فاعل ہو تو معنی ہوگا ناقل الدین اور اگر بمعنی مفعول ہو تو معنی مختار الدین ہوگا۔

سوال: دین تو غیر روح ہے اس کے مختار ہونے کا کیا معنی ہے۔

جواب: مضاف الیہ محذوف ہے مختار اہل الدین۔ اور ابہری میں یاء نسبتہ ہے آب بمعنی پانی اور ھر بمعنی چکی۔ یہ روم کے مضافات کا علاقہ ہے جہاں پن چکیاں بہت پائی جاتی ہیں اس وجہ سے اس علاقہ کا نام ابہر ہے۔

آپ امام رازی کے خاص شاگرد ہیں۔ انہوں نے بہت ساری کتابیں لکھیں ان میں سے دو نصاب وفاق المدارس میں شامل ہیں۔ (۱) ایساغوجی (۲) ہدایۃ الحکمۃ۔ ان کی وفات کا راجح قول چھ سو ساٹھ ۶۶۰ھ ہے۔

طيب الله ثراه وجعل الجنة مثواه۔

ترکیب: طیب فعل اللہ فاعل ثراہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ۔ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ جعل فعل ھو ضمیر راجع بسوئے اللہ فاعل جنۃ مفعول اول، مثواہ مضاف، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول ثانی۔ فعل فاعل اور ہر دو مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ فعلیہ معترضیہ دعائیہ۔

جعل کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جعل بسیط بمعنی خلق (۲) جعل مرکب

جعل بسیط: وہ ہے جو متعدی بیک مفعول ہو جیسے جعل الظلمت والنور۔

جعل مرکب: وہ ہے جو متعدی بدو مفعول ہو۔ جیسے الم نجعل الارض مهدا۔

نحمد الله على توفيقه ونساله هداية طريقه والهام الحق بتحقيقه ونصلى على محمد واله وعترته۔

ترجمہ ہم تعریف کرتے ہیں اللہ کی اس کی توفیق پر اور ہم اس سے سوال کرتے ہیں اس کے راستے کی ہدایت کا اور حق کے الہام کا اس کی تحقیق کے ساتھ اور ہم درود بھیجتے ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر اور آپؐ کے خاندان پر۔

الفاظ کی تشریح

﴿نحمد﴾ یہ مشتق ہے حمد سے بمعنی تعریف کرنا اور تعریف کے لیے تین لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ (۱) حمد (۲) مدح (۳) شکر۔

حمد: هوالثناء باللسان على الجميل الاختيارى نعمة كان اوغيرها۔

مدح: هوالثناء باللسان على الجميل الاختيارى اوغيرالاختيارى۔

شکر: هوفعل ينبئى عن تعظيم النعم لكونه منعما سواء كان باللسان اوبالجنان اوبالاركان۔

حمد اور شکر کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، کیونکہ حمد مورد کے اعتبار سے خاص ہے لیکن متعلق کے اعتبار سے عام ہے جب کہ شکر اس کے برعکس ہے۔اس میں دو مادے افتراقی اور ایک مادہ اجتماعی ہوگا۔

حمد اور مدح کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کیونکہ حمد میں اختیاری خوبی کی شرط ہے جب کہ مدح میں اختیاری کی قید نہیں۔حمد خاص مطلق ہے اور مدح عام مطلق ہے۔اس میں ایک مادہ اجتماعی اور ایک مادہ افتراقی ہوگا۔

الحمد میں لام غیر زائد حرفی کی چاروں قسمیں ہیں

(۱) اگر الف لام جنسی مراد لیں تو قضیہ طبعیہ ہوگا۔

(۲) اگر الف لام استغراقی مراد لیں تو قضیہ محصورہ ہوگا۔

(۳) اگر الف لام عہد خارجی مراد لیں تو قضیہ شخصیہ ہوگا۔

(۴) اگر الف لام عہد ذھنی مراد لیں تو قضیہ مہملہ ہوگا۔

﴿ الله ﴾ علم للذات الواجب الوجود المجتمع بجميع صفات الكمال منزه عن النقص و الزوال لفظ اس ذات کا علم ہے جو واجب الوجود ہے اور جمیع صفات کمالیہ کو جامع ہے۔

﴿توفیق:﴾ توفیق کا لغوی معنی ہوتا ہے ہاتھ بٹانا اور اصطلاحی معنی ہے جعل الاسباب موافقة للمطلوب الخير۔ مطلوب خیر کے لئے تمام اسباب کا مہیا کرنا توفیق کہلاتا ہے۔اور ایک ہے جعل الاسباب موافقة للمطلوب الشریعی کسی برائی کے کام کے اسباب مہیا کرنا اس کو اصطلاح میں خذلان کہتے ہیں۔

اور بعض نے خلق القدرة علی الطاعة معنی کیا ہے۔

اور بعض نے الدعوة الی الطاعة اور بعض نے خلق الطاعة معنی کیا ہے۔

﴿هدایت:﴾ ہدایت کا لغوی معنی راہ دکھانا۔اصطلاح میں اس کے دو معنی ہیں۔

(۱)۔ اراءة الطریق یعنی راستہ دکھانا یہ معنی اشاعرہ کے نزدیک ہے

(۲) ایصال الی المطلوب۔ مطلوب تک پہنچانا۔ یہ معنی معتزلہ کے نزدیک ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ دونوں معنوں کے درمیان من حیث الاستعمال مشترک ہے۔ جہاں جو مناسب ہوگا وہاں مراد لیا جائے گے۔

خلاصہ : معتزلہ اور اشاعرہ کا اپنی تعریف میں حقیقت اور دوسرے کی تعریف میں مجاز قرار دینا خلاف اصل ہے اور علامہ تفتازانی کا صلح کرانا بھی خلاف اصل ہے اور مشترک لفظی قرار دینا بھی حقیقت کے خلاف ہے لہٰذا وہ بھی خلاف اصل ہے۔

اسی بناء پر علمائے محققین نے اس کو مشترک معنوی قرار دیا ہے اور یہی درست ہے۔

جس کی مزید تفصیل شرح تہذیب کی شرح میں دیکھیں۔

الہام : کا لغوی معنی ہے القاء کرنا یعنی ڈالنا۔ اور اصطلاحی معنی القاء الخیر فی قلب الغیر بطریق الفیض۔ ، خیر کی بات کا القاء کرنا غیر کے دل میں بطریق فیض۔ بعض حضرات نے قلب الغیر کی بجائے فی قلب المومن کہا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالی کا بلا واسطہ کسی کے دل میں کوئی خیر کی بات کا ڈال دینا الہام ہے۔۔ یہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

اور ایک ہے وسوسہ اس کا معنی ہے القاء الشر فی قلب الغیر یعنی کسی کے دل میں برائی کی بات ڈالنا۔ یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

سوال : یہ تعریف اس قول باری تعالیٰ فالهمها فجورها پر صادق نہیں آتی۔

جواب : یہاں الهمها کا لغوی معنی مراد ہے۔

﴿الحق:﴾ حق وہ خبر ہے جس میں اس بات کا لحاظ کیا گیا ہو کہ واقعہ خبر کے مطابق ہے اور ایک ہے صدق۔ صدق وہ خبر ہے جس میں اس بات کا لحاظ کیا گیا ہو کہ خبر واقعہ کے مطابق ہے۔

اور حق کے مقابلے میں باطل ہے اور صدق کے مقابلے میں کذب ہوتا ہے۔

﴿تحقیق﴾ : تحقیق کا لغوی معنی ہے ثابت کرنا اور اصطلاحی معنی ہے کسی بات کو دلائل سے ثابت کرنا۔

﴿تدقیق﴾ اور ایک لفظ ہے تدقیق یعنی دلائل کی جزائیات کو پھر دلائل سے ثابت کرنا۔ تحقیق سے اس بات کی طرف سے اشارہ کیا کہ حق وہ معتبر ہے جو اللہ کے نزدیک حق ہو۔ کیونکہ بعض دفعہ انسان کسی بات کو حق سمجھتا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں حق نہیں ہوتی،

سوال: مصنف نے کتاب کو تسمیہ اور تحمید سے کیوں شروع کیا؟

جواب: (۱) چونکہ کلام اللہ کا آغاز اسی طرح ہے اس لیے مصنف نے قرآن مجید کی پیروی کی ہے (۲) حدیث شریف میں آتا ہے کل امر ذی بال لم یبدأ باسم اللہ وبحمد اللہ فھو اقطع ہر وہ ذیشان کام جو اللہ کے نام اور اس کی حمد کے ساتھ شروع نہ کیا جائے وہ دم بریدہ ہوتا ہے۔ چونکہ یہ ایک ذیشان کام ہے اس لیے مصنف نے اس حدیث پر عمل کیا ہے۔

(۳) سلف صالحین نے اپنی تصانیف کا آغاز ایسے ہی کیا ہے تو مصنف نے ان کی اقتداء کی ہے۔

سوال: مصنف نے جملہ اسمیہ کی بجائے جملہ فعلیہ اختیار کر کے مصنفین کی مخالفت کیوں کی

جواب اول: مصنف نے کل جدید لذید کے قاعدہ پر عمل کیا ہے کہ ہر نئی شے لذیذ ہوتی ہے مصنف نے اس انداز سے آغاز کیا تا کہ اس کے کلام میں لذت پیدا ہو جائے۔

جواب ثانی: اصل کی رعایت ہے۔ کیونکہ الحمد اصل میں حمدت حمدا تھا حمدت کو حذف کر کے نصب سے رفع کی طرف عدول کیا تا کہ دوام استمرار حاصل ہو اور ابتداء میں الف لام لانے سے الحمد ہوا۔

جواب ثالث: دوسری غرض اظہار عجز ہے کیونکہ اس قلیل عمر میں دوامی اور استمراری حمد کیسے ممکن ہے اس لیے جملہ فعلیہ ذکر کر دیا۔

سوال: اگر جملہ فعلیہ میں مضارع ہو تو وہ استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے اور جملہ اسمیہ استمرار ثبوتی پر دلالت کرتا ہے اور استمرار تجددی ثبوتی سے سخت ہے فکیف اختارہ۔

جواب: اگر چہ یہ سخت ہے لیکن مقدور انسان ہے بخلاف استمرار ثبوتی کے کہ اس پر انسان کی

قدرت ہی نہیں۔

سوال: مصنف نے صیغہ ماضیہ کیوں ذکر نہیں کیا جو کہ تحقق پر دال ہے۔

جواب: چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر استمرار تجددی ہے اس لیے مضارع لایا ہے جو کہ اس پر دال ہے۔

سوال: جمع متکلم کا صیغہ کیوں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ حامد ایک ہے۔

جواب: اس میں اشارہ کیا کہ حمد ایک امر عظیم ہے جس کا ایک آدمی سے ہونا مشکل ہے لہذا اور آدمیوں کی بھی ضرورت ہے۔

نیز مصنف تمام مومنین کی طرف سے اللہ کی تعریف کر رہا ہے جب کہ الحمد للہ میں ایسی بات نہیں۔

ونصلی علی محمد والہ وعترتہ

ترکیب: (نصلی) فعل مضارع مرفوع بالضمہ لفظا۔ (نحن) ضمیر مرفوع محلا فاعل۔ (علی) حرف جار (محمد) مجرور لفظا معطوف علیہ۔ واو عاطفہ (الہ) مجرور لفظا مضاف (ہ) مجرور لفظا مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف۔ واؤ عاطفہ (عترتہ) مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف۔ معطوف علیہ تمام معطوفات سے مل کر مجرور ہوا علی جار کا۔ جار مجرور ظرف مستقر متعلق ہے نصلی کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ

الفاظ کی تشریح

﴿نصلی﴾ یہ مشتق ہے صلوۃ سے، جس کا معنی ہے دعاء، طلب رحمت۔ لیکن نسبتوں کے بدلنے سے اس کا معنی بھی بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ جب اس کی نسبت اللہ کیطرف ہو تو اس سے مراد رحمت ہے اور جب اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو مراد اس سے استغفار ہے۔ اور جب اس کی نسبت چرند یا پرند کی طرف ہو تو مراد اس سے تسبیح اور تہلیل ہے۔

اور جب اس کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو مراد اس سے اصل معنی یعنی دعاء اور طلب رحمت

ہوتا ہے یہاں بھی یہی معنی مراد ہے۔

﴿محمد: ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور انجیل میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مذکور ہے۔ اور لفظ محمد قرآن کریم میں چار جگہ مذکور ہے۔ (سورت آل عمران (۳) آیت ۱۴۴، الاحزاب (۳۳)/۴۰، محمد (۴۷)/۲، الفتح ۲۹/۴۸ اور لفظ احمد ایک جگہ مذکور ہے (سورت الصف (۶۱/ آیت ٦۔

فائدہ لفظ محمد واحد مذکر اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جو تحمید بروزن تفعیل مصدر سے ماخوذ ہے۔ وہ شخص جس کے اندر خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ ہوں، محمد اگرچہ رسول اللہ کا اسم گرامی ہے لیکن آیت محمد رسول اللہ میں باوجود علمیت کے وصفیت کی طرف اشارہ ہے۔ گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ رسول اللہ کی ذات کے اندر بکثرت خصائل محمودہ اور صفات حسنہ کریمہ موجود ہیں۔

لفظ احمد افعل تفضیل کا صیغہ ہے، مبالغہ للفاعل بھی ہوسکتا ہے یعنی دوسروں سے بہت زیادہ اللہ عزوجل کی حمد بیان کرنے والے اور مبالغہ للمفعول بھی یعنی اپنے اوصاف حمیدہ کے باعث دوسروں سے زیادہ آپ کی مدح کی گئی۔

﴿الہ: ﴾ آل اصل میں کیا تھا اس کے بارے اختلاف ہے علامہ سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ اصل میں اہل تھا ہا کو الف کیا تو الہ ہوگیا جب کہ علامہ کسائی کا مذہب یہ ہے کہ یہ اصل میں اول تھا واو کو الف کی اتو ال ہوگیا ال کے مراد میں اختلاف ہے۔ اہل سنت کے نزدیک ال سے مراد ازواج مطہرات اور انکی اولاد ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک نبی اکرم کی بیٹی حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور ان کی اولاد ہے۔ شرعی معنی میں صرف ازواج مطہرات مراد ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے انما یرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا۔ (بے شک اللہ پاک ارادہ کرتا ہے کے لے جائے تم سے اے اہل بیت گندگی اور پاک کرے تم کو پاک کرنا)۔ یہاں

صرف ازواج مطہرات ہیں۔ یہ آیت ہمارے مسلک کی تائید بھی کرتی ہے کہ ال سے مراد ازواج مطہرات ہیں

ال اور اهل كا فرق: اگرچہ اصل کے اعتبار سے (علامہ سیبوائے کے نزدیک) ال اہل ہی ہے تاہم ال اور اہل میں کچھ فرق ہے۔(۱) ال صرف ذوی العقول کیلیے خاص ہے جب کہ اہل ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کے آتا ہے (۲) ال صرف اشراف کے لیے خاص ہے دنیاوی اعتبار سے ہوں یا دینی اعتبار سے جب کہ اہل اشراف اور خسیس دونوں قسم کے لوگوں کیل یے مستعمل ہوتا ہے۔ تیسرا احتمال ال مذکر لیے فقط اہل مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

﴿**عترته**:﴾ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے۔

عترته: عتثرت کا معنی اولا ہے۔ چونکہ شرعی اعتبار سے ال میں اولاد داخل نہیں ہے اسی وجہ سے ذکر کیا۔

سوال آپ نبی اکرمؐ پر درود کیوں بھیجتے ہیں؟

جواب اس کے چار جواب ہیں تین نقلی اور ایک عقلی۔(۱) مصنف نے اللہ رب العزت کی اقتدا کی ہے اس لیے کہ جہاں بھی اللہ پاک اپنا نام لائے ہیں وہاں اپنے محبوب کا ذکر بھی کیا ہے جیسے کلمہ اور اذان میں تو مصنف نے جب اللہ کی ثناء بیان یک تو ضروری سمجھا کہ نبی اکرمؐ پر بھی درود بھیجے (۲) مصنف نے ایک حدیث پر عمل کیا ہے وہ یہ ہے کل کلام لم ینبدا فیه بالصلوة علی وهو مقطوع من کل برکة ہر وہ کلام جس کا آغاز مجھ پر درود بھیجنے کے ساتھ نہ ہو وہ ہر برکت سے محروم ہوتا ہے تو مصنف نے برکت حاصل کرنے کے لیے درود بھیجا۔(۳) تمام سلف صالحین کا بھی یہی شیوا ہے کہ وہ پہلے اللہ رب العزت کی حمد کرتے ہیں بعد میں نبی اکرمؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ مصنف نے ان کی اقتدا کی ہے۔

عقلی جواب: عقل کا تقاضا یہ کہ جو احسان کرے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے جیسے مثل مشہور ہے شکر المنعم واجب عقلاً (انعام کرنے والے کا شکر ادا کرنا عقلاً واجب ہے) تو چونکہ سب سے منعم اللہ تعالیٰ ہیں اس لیے پہلے اللہ کی ثناء بیان کی اور اس کے بعد بڑے محسن و منعم نبی اکرمؐ ہیں اسلیے اس کے بعد نبی اکرمؐ ذات عالی پر درود بھیجا۔

سوال: مصنف نے جب الہ کہہ دیا تو عترتہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح ازواج مطہرات پر درود بھیجنا ضروری ہے اسی طرح اس ان کی اولاد کا بھی حق ہے۔ ان پر بھی بھیجنا چاہیے۔

ترجمہ: کہا شیخ نے ایسا شیخ جو پیشوا ہے بہت جاننے والا ہے متاخرین علماء سے بہتر ہے پکے حکماء کا مقتدا ہے یعنی اثیر الدین الابہری (صفت کے اعتبار سے معنی ہے جو کہ اثیر الدین ابہری ہیں) خوشبودار کرے اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو اور بنائے جنت میں اس کا ٹھکانہ، ہم تعریف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اس کی توفیق پر اور ہم سوال کرتے ہیں اس سے اس کے رستے کی ہدایت کا اور حق کے الہام کا اس کی تحقیق کے ساتھ، اور ہم درود بھیجتے ہیں محمد ﷺ پر اور آپ کی ال (یعنی ازواج مطہرات پر) اور آپ کی اولاد پر۔

امابعد فهذه رسالة في المنطق اور دنا فيها مايجب استحضاره لمن يبتدا شيئا من العلوم مستعينا بالله انه مفيض الخير والجود۔

ترجمہ: بعد حمد و صلوۃ کے پس یہ رسالہ منطق میں ہے، لائے ہیں ہم اس میں وہ چیزیں جن کا حاضر رکھنا ضروری ہے ہر اس شخص کے لیے جو کسی علم میں ابتداء کر رہا ہو، اس حال میں کہ میں مدد مانگنے والا ہوں اللہ تعالیٰ سے۔ اس لیے کہ وہی بھلائی اور بخشش کا بہانے والا ہے۔

ترکیب: (اما) شرطیہ (بعد) مضاف مهما يكن من شئی من الحمد والصلوة مضاف الیہ محذوف ہے۔ (فا) جزائیہ (هذه) اسم اشارہ (رسالة) مشار الیہ۔ اسم اشارہ مشار

الیہ مل کر مبتدا۔(فی المنطق) جار مجرور مل کر ظرف مستقر خبر ہے۔(اوردنا) فعل با فاعل (فیھا) جار مجرور مل کر ظرف لغو متعلق ہے اوردنا کے۔(ما) موصولہ (یحتب) فعل مضارع مرفوع بالضمہ لفظاً (استحضارہ) مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل۔

(لمن یبتدأ شیئا من العلوم) صلہ موصول ہو کر مجرور ہوا جار کا۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے یحتب کے۔

شیئا: یہ نکرہ اور نکرہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔یعنی ہر علم سے پہلے منطق کا علم ضروری ہے۔

سوال: ہوتا ہے کہ منطق کا علم بھی شیئا من العلوم میں داخل ہے،لھذا منطق کا علم منطق کے لیے بھی موقوف علیہ ہوا،تو توقف الشئی علی نفسہ کی خرابی لازم آئی۔

جواب: یہ ہے کہ منطق کا علم شیئاً من العلوم سے مستثنیٰ ہے باستثناء عقلی۔جیسے لیلۃ القدر خیر من الف شھر میں لیلۃ القدر، الف شھر سے مستثنیٰ ہے باستثناء عقلی۔

﴿**مستعینا**﴾ یہ حال ہے اوردنا کی فاعل ضمیر سے۔

سوال: ہوتا ہے کہ ذوالحال اور حال میں مطابقت ضروری ہے جو کہ یہاں نہیں ہے۔اس لیے کہ حال یعنی مستعینا واحد ہے اور ذوالحال یعنی (نا) ضمیر جمع ہے۔

جواب: یہ ہے کہ اوردنا فی الحقیقۃ بمعنی اوردت کے ہے۔لہذا حال اور ذوالحال میں مطابقت موجود ہے۔

حال ہے فاعل سے۔فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ صلہ ہے ۔ ما موصولہ اپنے صلہ سے مل کر مفعول بہ۔ اوردنا فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ۔ان حرف از حروف مشبہ بالفعل یہ ضمیر اسم مفیض الخیر والجود خبر۔ان اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبر یہ۔

﴿**انہ مفیض الخیرو الجود**﴾ یہ جملہ معللہ ہے مستعینا باللہ کے لیے یعنی میں اللہ سے اس لیے مدد مانگنے والا ہوں کہ وہی بھلائی اور بخشش کا بہانے والا ہے۔

﴿الجود﴾ : اللہ تعالی کے لیے جود کا لفظ بولا جاتا ہے۔ سخاوت کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ سخاوت کہتے ہیں جو مانگنے پر دیا جائے جتنا مانگا جائے اتنا دیا جائے۔ اور جود کہتے ہیں جو بن مانگے دیا جائے جتنا مانگا جائے اس سے زیادہ دیا جائے یا مناسب حال دیا جائے۔

﴿فہذہ﴾ ھذہ پر جو فاء داخل ہے یہ فاء جزائیہ ہے اما حرف شرط کے جواب میں۔

﴿ھذہ﴾ ہذہ کا اشارہ کتاب کی طرف ہو تو اس میں کچھ تفصیل ہے اب کتاب یا تو صرف الفاظ کا نام ہے یا صرف معانی کا یا صرف نقوش کا۔

الفاظ: جس کا انسان تلفظ کرے۔

معانی: جس کا لفظ سے قصد کیا جائے۔

نقوش: الفاظ کی جو صورت کاغذ پر نقش ہوتی ہے۔

ہذہ کا اشارہ الفاظ کی طرف نہیں ہو سکتا کیونکہ اشارہ موجود چیز کی طرف ہوتا ہے۔ کیونکہ اللفظ اذا یتلفظ فتلاشی لفظ پر جب تلفظ کیا جاتا ہے تو وہ ادا ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔

اور معانی بھی اس قابل نہیں کیونکہ ان کا خراج میں وجود نہیں۔ وہ تو لفظ کے پیٹ میں ہے اور نقوش اگرچہ موجود ہیں لیکن ان پر تدوین کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور جمہور جواب دیتے ہیں کہ حقیقت میں مدون تو الفاظ اور معانی تھے ان پر نقوش دال تھے۔ اس لیے مجاز النقوش کو مدون کہلایا تسمیۃ الدال باسم المدلول یا کو مدون تو الفاظ اور معانی تھے۔ مگر چونکہ ان کی تعبیر نقوش سے ہوتی ہے اس لیے ان ہی کو مدون کہلایا تسمیۃ المعتبر باسم المعتبر عنہ

محققین کے نزدیک ہر صورت میں ہذا کا اسم اشارہ ما حضر فی الذھن (جو مضامین و معانی ذہن میں) ان کی طرف ہوگا۔ خواہ خطبہ ابتدائیہ ہو یا الحاقیہ ہو۔

سوال: ھذا کا اشارہ محسوس و مبصر چیز کی طرف ہونا چاہیے ذہن میں موجود اصطلاحات کی طرف کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ محسوس و مبصر نہیں؟

جواب: بعض اوقات جو ذہن میں موجود ہوتا ہے اس میں بھی اس طرح کمال امتیاز ہوتا

ہے جیسا کہ کمال امتیاز محسوس ومبصر چیز میں ہوتا ہے تو کمال امتیاز میں یہ محسوس ومبصر کے ساتھ مشابہ ہے تو اسی وجہ سے بعض مرتبہ ہذہ کا اشارہ ماحضر فی الذھن کی طرف ہوتا ہے۔ (مزید تفصیل شرح تہذیب میں)

سوال: ہوتا ہے کہ جب مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ لکھا تو اس وقت کوئی چیز سامنے موجود نہیں تھی، تو ھذہ کا مشارالیہ محسوس مبصر نہ ہوا، حالانکہ محسوس مبصر ہونا چاہیے۔

جواب: یہ ہے کہ خطبہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خطبہ الحاقیہ۔ (۲) خطبہ ابتدائیہ۔

خطبہ الحاقیہ: اگر کتاب لکھی جائے پہلے اور خطبہ لکھا جائے بعد میں تو اس کو خطبہ الحاقیہ کہتے ہیں۔

خطبہ ابتدائیہ: اگر کتاب لکھی جائے بعد میں اور خطبہ لکھا جائے پہلے، تو اس کو خطبہ ابتدائیہ کہتے ہیں۔ یہاں خطبہ الحاقیہ ہے تو ھذہ کا مشارالیہ ما بین الجلدین ہوگا۔ اور یہ محسوس مبصر ہے اور لفظ اوردنا کا صیغہ ماضی بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ خطبہ الحاقیہ ہے اور اگر بالفرض خطبہ ابتدائیہ ہو تو اس میں آپ کا اعتراض باقی رہے گا۔ تو ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ غیر محسوس کو محسوس کے حکم میں لا کر مجازاً اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ باقی رہا یہ کہ غیر محسوس کو محسوس کے حکم میں کیوں لائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں منطق کے قوانین اتنے مستحضر تھے گویا کہ سامنے موجود تھے۔

سوال: بر محققین کہ ھذا ایک مشارالیہ ماحضر فی الذہن منصوص ہے یا مصنوعی۔

جواب: کہ منصوص ہے کیونکہ قرآن میں آچکا ہے رب اجعل ھذا بلداً آمناً یہاں ھذا کا اشارہ بلد کیطرف ہے اور وہ موجود فی الخارج نہیں بلکہ ماحضر فی الذہن ہے۔

سوال: ھذا ذات ہے اور رسالۃ مصدر ہے تو حمل الذات علی المصدر لازم آئے گا وھو غیر جائز۔

جواب: رسالۃ بمعنی مرسلہ ہے۔

سوال اوردنا کو جمع لانا کیسے صحیح ہے۔ جب کہ مورد ایک ہے تو اوردت واحد متکلم ہونا چاہئے تھا۔

جواب اوردت واحد متکلم لانے میں علو کا خیال تھا کہ میں نے اکیلا یہ کام کیا اس لیے انکساری کرتے ہوئے جمع کا صیغہ لائے۔

جواب ثانی یہ ہے کہ اوردنا میں کتاب کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے جمع کا صیغہ بولا، جمع کا صیغہ بول کر عظمت کتاب اور عظمت قوانین کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی اس قوانین کو جمع کرنا بہت مشکل کام تھا۔ گویا کہ ایک بڑی جماعت نے یہ کام کیا ہے۔

﴿**رسالة فی المنطق**﴾ عام طور پر مصنفین کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خطبہ کے بعد اور اصل مقصود سے پہلے درمیان میں کچھ عبارت ذکر کرتے ہیں اس عبارت کی چند غرضیں ہوتی ہیں اگر مصنف کتاب ماتن ہو تو عام طور پر اس عبارت میں تین چیزوں کو بیان کرتا ہے۔

(۱) علت تعیین فن یعنی میں نے اس فن میں یہ کتاب کیوں لکھی۔

(۲) علت تصنیف کہ میں نے اس کتاب کو کیوں تصنیف کیا

(۳) کیفیت مصنف یہ میری کتاب کس قسم کی ہے آسان ہے مشکل ہے اعتراضات جوابات کے ساتھ ہے یا بغیر اعتراضات کے ہے اور اگر وہ مصنف شارح ہو تو ان مذکورہ تین چیزوں کے علاوہ ایک چوتھی چیز کو بھی ذکر کرتا ہے وہ علت تعیین متن۔ کہ میں نے اس متن کو کیوں اختیار کیا۔ چنانچہ بعض مصنفین ان سب چیزوں کو ذکر کرتے ہیں اور بعض ایک دو کو ذکر کر دیتے ہیں اور دوسروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

صاحب ایساغوجی نے صرف دو چیزوں کو بیان کیا ہے (۱) تعیین فن (۲) کیفیت مصنف۔

تعیین فن تو یہ ہے کہ یہ رسالہ منطق میں ہے۔

کیفیت مصنف یہ ہے کہ یہ رسالہ اتنا عمدہ ہے کہ ہر طالب علم اس کا یاد کرنا ضروری ہے۔

الفاظ کی تشریح

اما بعد: جہاں اما بعد آتا ہے وہاں حقیقت میں یہ ظرف ہوگا فعل محذوف کا۔ عبارت محذوف مھما یکن من شئی بعد الحمد والصلوۃ کا مضاف ہوتا ہے یہ بات خطبوں کے لیے خاص ہے۔ بعد مابعد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ اس کا مضاف مذکور ہوتا ہے یا محذوف۔ مذکور ہو تو یہ معرب ہوتا ہے اگر محذوف ہو تو منوی یعنی نیت میں باقی ہوتا ہے یا نسیا منسیا ہو جاتا ہے۔ نسیاً منسیاً تو بھی معرب ہوتا ہے اگر منوی ہو تو مبنی ہوتا ہے۔

﴿**رسالة**﴾ اس کا لغوی معنی ہے مایرسل الی الغیر اور اصطلاحی معنی ہے وہ مختصر کتابچہ جس میں قوانین کو مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہو۔

اور کتاب وہ ہے جس میں قوانین کو تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہو۔

﴿**یجب**﴾ یجب کا مصدر وجوب ہے۔ وجوب بمعنی واجب کے ہے۔

سوال حالانکہ واجب کا تارک گناہ گار ہوتا ہے۔ اور منطق نہ پڑھنے سے کوئی گناہ نہیں لازم آتا۔ لہذا مایجب کہنا کیسے صحیح ہوا۔

جواب واجب دو قسم ہے شرعی اور استحسانی۔

وجوب شرعی: وہ ہوتا ہے کہ ما ثبت بدیل قطعی فیه شبھة

وجوب استحسانی: ما استحسن العقل فعله اور یہاں استحسانی مراد ہے نہ کہ شرعی

من یبتدأ شیئا من العلوم

سوال منطق بھی ایک علم ہے تو شروع شیء کا بنفسہ لازم آئے گا اور وہ جائز نہیں۔

جواب علم ماسوا منطق مراد ہے یا علوم سے مراد ہے علوم حکمیہ لینگے اور منطق ان کے لیے آلہ ہے۔

﴿**ایساغوجی**﴾: ایساغوجی کی تین تحقیقیں ہیں (۱) تحقیق ترکیبی۔
(۲) تحقیق معنوی (۳) تحقیق اشتمالی۔

تحقیق ترکیبی: ترکیبی احتمالات چھ ہیں۔
(۱) یہ لامحل له من الاعراب یعنی اس کا کوئی اعراب نہیں۔ بلکہ یہ خطبہ اور کتاب میں فصل کے لیے ہے باب اور فصل کی طرح ساکن پڑھا جائے گا۔
(۲) یہ ہذا اسم اشارہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تو عبارت ہوگی ھذا ایساغوجی۔
(۳) مبتدا ہوگا اور ہذا اسم اشارہ اسکی خبر بنے گی تو عبارت یوں ہوگی ایساغوجی ہذا۔
(۴) اقرء فعل محذوف کا مفعول ہوگا اور منصوب پڑھا جائے گا تو عبارت یوں ہوگی اقـــــرا ایساغوجی۔
(۵) بحث کا مضاف الیہ ہو اور مجرور ہو اور اپنے مضاف سے مل کر ہذا مبتداء محذوف کی خبر ہو تو تقدیر عبارت یوں ہوگی ھذا بحث ایساغوجی۔
(۶) اپنے مضاف الیہ سے ملکر مبتدا بنے اور ہذا اس کی خبر ہوگی تو تقدیر عبارت یوں ہوگی بحث ھذا ایساغوجی۔

تحقیق معنوی: معنوی تحقیق کے بارے نو احتمالات ہیں۔
(۱) ایساغوجی ایک منطقی اور حکیم کا نام ہے اور اسی کے نام کی وجہ سے کتاب کا نام رکھ دیا گیا۔
(۲) ایساغوجی کا معنی ہے مدخل یعنی داخل ہونے کی جگہ یعنی علم منطق تمام علوم میں داخل ہے۔
ایساغوجی کتاب کے مصنف کا نام ہے، مصنف نے اپنے نام کی وجہ سے کتاب کا نام رکھا۔
(۳) ایساغوجی مصنف کے شاگرد کا نام ہے مصنف اپنے شاگرد سے کہتا تھا یا ایساغوجی الحال کذا۔ شاگرد کے نام کی وجہ سے کتاب کا نام رکھا۔
(۴) کہ یہ ایک پھول کا نام ہے جس کی پانچ پتیاں تھیں اب ان کلیات خمسہ پر اس کا اطلاق ہے تسمیة المشبه باسم المشبهه۔
کلیات خمس کا نام ہے چونکہ اس رسالہ کے اندر کلیات خمس (جنس، نوع، فصل، عرض عام، خاصہ) کا ذکر ہے اس لیے ان کی مناسبت سے کتاب کا نام ایساغوجی رکھ دیا۔

(۵) کہ ایساغوجی اس حکیم کا نام ہے جس نے ان کلیات کو ایجاد کیا مجازا اس کا نام کلیات خمسہ پر کر دیا تسمیۃ المستخرج باسم المستخرج۔ تسمیۃ المدوّن باسم المدوّن بنایا ہے۔

(٦) (ایس) بمعنی انت (اغو) بمعنی انا اور (جی) بمعنی ثم یعنی وہاں۔ یعنی تو میں اور وہاں۔ پہلے جب لڑکے منطق کا سبق پڑھتے تو کہتے ایساغوجی یعنی تو میں وہاں جا کر تکرار کریں اسی مناسبت سے کتاب کا نام ایساغوجی رکھ دیا۔

(۷) ایس بمعنی انت اغو بمعنی انا اور جی بمعنی ڈنڈا۔ پہلے زمانے میں جب طالب علم کو سبق یاد نہیں ہوتا تو استاد کہتا کہ ایساغوجی یعنی یہ لفظ آپنے شاگردوں کو تنبیہ کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا کہ تو نے اگر سبق یاد نہ کیا تو ایک میں ہوں گا اور ایک توں ہوگا اور ایک ڈنڈا ہوگا یعنی خوب پیٹوں گا۔

(۸) اور بعض کہتے ہیں کہ ایک طالب علم کا نام تھا جو کلیات کی بحث پڑھتا تھا بعد میں مجازا ان کلیات پر اس کا اطلاق کر دیا تسمیہ المقرو باسم القاری۔

(۹) راجح قول یہ ہے ایساغوجی یونانی زبان میں ایک ایسے پھول کا نام ہے جس کی پانچ پتیاں ہیں چونکہ یہ رسالہ میں کلیات خمس مذکور ہیں کلیات خمس کی اس پھول سے مناسبت ہوگئی لہذا کتاب کا نام ایساغوجی رکھ دیا۔

تحقیق اشتمالی: یعنی کہ یہ رسالہ کن چیزوں پر مشتمل ہے۔ تو اس کے بارے کہ اللفظ الدال سے لے کر ثم اللفظ اما مفرد تک دلالت کا بیان ہے۔ اما مفرد کزید اما کلی تک مفرد مرکب کا بیان ہے اما کلی سے قولاً عرضیا قول الشارح تک کلیات خمس کا بیان ہے۔ قول الشارح سے بالطبع القضایا تک قول شارح کا بیان ہے۔ القضایا سے آخر تک تصدیق اور بقیہ چیزوں کا بیان ہے۔

منطق کا مقصود تصورات میں معرف اور قول شارح ہیں لیکن جس طرح بقیہ علوم والے علم میں بصارت کے لیے اپنی کتابوں کے شروع میں تعریف اور غرض اور موضوع وغیرہ بیان کرتے ہیں

اسی طرح منطقی حضرات بھی معرف اور قول شارح سے پہلے دلالت ومفرد مرکب وغیرہ کی بحث لاتے ہیں کیونکہ افادہ اور استفادہ الفاظ اور دلالت کے بغیر نہیں ہوتا۔

اور کلیات خمس کو مبادی کے طور پر لاتے ہیں تا کہ افادہ اور استفادہ میں مدد دے اور پھر معرف اور قول شارح کو بیان کرتے ہیں۔

سوال: ایک راجح قول کے مطابق جب آپ نے کتاب کا نام کلیات خمس کیوجہ سے رکھا تو اسکا تقاضا یہ تھا کہ پہلے کلیات خمس کو ذکر کیا جائے۔لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا؟ بلکہ دلالت کے اعتبار سے کتاب کو شروع کیا ہے۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ کلیات خمس کا سمجھنا موقوف ہے مفرد ومرکب کے سمجھنے پر اور مفرد ومرکب کا سمجھنا موقوف ہے دلالت کے سمجھنے پر۔لہذا دلالت کو مقدم کیا۔

سوال: منطقی حضرات معانی سے بحث کرتے ہیں نہ کہ الفاظ سے تو مصنف علیہ الرحمۃ نے کتاب کو اللفظ الدال سے کیوں شروع کیا۔

جواب: معانی کا سمجھنا موقوف ہے الفاظ کے سمجھنے پر اس وجہ سے کتاب کو اللفظ الدال سے شروع کیا۔

سوال: مصنف کو چاہئے تھا کہ خطبہ کے بعد موضوع منطق کو بیان کرتا۔تو کلیات کو ذکر کرنے کیا وجہ ہے۔

جواب: یہ موضوع کے لیے موقوف علیہ ہے اور وہ موقوف سے پہلے ہی ہوا کرتا ہے۔

سوال: ایساغوجی کا لفظ تو کلیات کا مقتضی تھا اور یہاں آپ نے دلالت کی بحث شروع کردی۔

جواب: اس لئے کہ یہ کلیات کا موقوف علیہ ہے۔اور پھر توقف میں دو قول ہیں عام منطقی تو یہ کہتے ہیں کہ چونکہ اصطلاحات منطقیہ کا موقوف علیہ فائدہ واستفادہ ہے اور یہ الفاظ دالہ علی المعانی پر موقوف ہے فلہذا دلالت وغیرہ کی بحث کی ضرورت پڑی۔اور خاص منطقی یہ کہتے ہیں کہ کلیات خمسہ عبارت ہی الفاظ دالہ علی المعانی سے ہے۔

﴿اللفظ الدال﴾ لفظ کا لغوی معنی ہے پھینکنا جیسے عربی جملہ ہے اکلت التمرة ولفظت النواة میں نے کھجور کھائی اور گٹھلی کو پھینک دیا۔ اصطلاح میں لفظ کی تعریف یہ ہے

ما یتلفظ به الانسان موضوعاً اومهملاً (وہ جو انسان تلفظ کرتے موضوعاً (بامعنی یا مہملا یعنی بے معنی) اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو انسان تلفظ نہیں کرتا وہ لفظ نہیں۔

مثال جیسے روٹی شوٹی۔ روٹی موضوع ہے اور شوٹی مہمل ہے۔

دال: لفظ دلالت مصدر ہے دل یدل باب نصر کا اس کا معنی ہے۔ بمعنی راہ نمودن (راستہ دکھانا)

قال تعالی فما دلهم علی موته الا دابة الارض تاکل منسات

اور اصطلاح میں دال کی تعریف یہ ہے

کون الشیء بحالة یلزم من العلم به العلم بشیء آخر ۔ا ول دال ہے اور ثانی مدلول

۔الدال الشیء الذی یلزم من العلم به العلم شیء آخر

والمدلول الشیء الذی یلزم علمه من العلم بشیء آخر

کون الشئی بحیث یلزم العلم من العلم به العلم بشی اخر۔ کسی شئ کا ایسے طور پر ہونا کہ اس کا جاننا کسی علم کے جاننے سے اس طور پر لازم ہو کہ اس کے جاننے سے کسی دوسری شے کا علم آجائے۔

منطقی حضرات دال کے تین نام رکھتے ہیں (۱) دال (۲) لفظ (۳) موضوع۔

اور مدلول کے بھی تین نام ہیں (۱) مدلول (۲) معنی (۳) موضوع لہ۔

﴿یلزم﴾ یہ لزوم سے ماخوذ ہے بمعنی عدم انفکاک اور علم کی دو معنی ہوتے ہیں۔

(۱) بمعنی یقین (۲) بمعنی مطلق ادراک۔

یہاں یہ ثانی معنی مراد ہے۔ کیونکہ اس صورت میں چہار احتمالات ہیں۔ تین صحیح اور بمعنی یقین لینے سے صرف ایک صحیح بنتا ہے۔

احتمالات یہ ہیں۔ دال کے ظن سے مدلول کا ظن حاصل ہو جیسا کہ مکان میں بیٹھے ہوئے دھوپ کی

کمی سے بادل کا بھی احتمال حاصل ہو جائے۔ دوسرا دال کے یقین سے مدلول کا یقین حاصل ہو جائے جیسے کہ دخان کے دیکھنے سے نار کا یقین حاصل ہو جائے۔

تیسرا دال کے یقین سے مدلول کا ظن پیدا ہو جیسا کہ بادل کے دیکھنے سے بارش کا ظن پیدا ہو۔ چہارم یہ کہ دال کے ظن سے مدلول کا یقین ہو صرف احتمال عقلی ہے واقع میں اس کا تحقق نہیں ہے۔

جس طرح نحو میں آپ نے اسم، فعل، حرف کی تعریف پڑھی ہے۔ کی دلالت اس کے مفہوم پر دلالت لفظی میں شامل ہے۔

اگر انسانی کلمات ٹیپ وغیرہ کے واسطہ سے سنائی دیں ان کی دلالت بھی دلالت لفظی میں شامل ہے۔ انسان کے ذہن میں جو الفاظ آئیں ان کی اپنے معنی پر دلالت بھی دلالت لفظی ہی ہے۔ ان کے علاوہ جو چیز دلالت کرے اس کی دلالت غیر لفظی ہے۔ اگر جملہ میں کوئی لفظ مستتر یا محذوف مانا جائے تو اس کی دلالت بھی دلالت لفظی ہی ہوگی۔

فائدہ مناطقہ نے جستجو اور تلاش کی ہے کہ ایک شئی کے جاننے سے دوسری شئی کا علم کس طرح آجاتا ہے انہوں نے تتبع اور تلاش کے بعد یہ معلوم کیا کہ ایک شئی کے علم سے جو خود بخود دوسری شئی کا علم آجاتا ہے یہ کسی تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے اور تعلق مناطقہ نے تین نکالے ہیں۔

(۱) وضع کا تعلق کہ بنانے والے نے دال کو مدلول ہی کے لیے بنایا ہو۔

(۲) طبع کا تعلق کہ مدلول دال کی طبیعت کو جا کر لگ جائے اور اس سے بلا اختیار دال صادر ہو۔

(۳) تاثیر کا تعلق یعنی دال اثر ہو اور مدلول موثر ہو اور دال موثر یا دال اور مدلول دونوں ایک تیسری شئی کا اثر ہو مثالیں آگے آئیں گی۔

دلالت کی اقسام: دلالت کی دو قسمیں ہیں لفظیہ غیر لفظیہ دلالت لفظیہ اس دلالت کو کہتےہیں جس میں دال لفظ ہو جیسے لفظ زید کی دلالت ذات زید پر اور غیر لفظیہ اسکو کہتے ہیں جس میں دال لفظ نہ ہو جیسے دھواں کی دلالت آگ پر۔

دلالت لفظیہ کی اقسام: دلالت لفظیہ کی تین قسمیں ہیں۔

دلالت لفظیہ وضعیہ جس میں دال لفظ ہو اور اس کے بنانے والے نے مدلول کے لیے بنایا ہو یعنی تعلق وضع کا ہو اسکو دلالت لفظیہ وضعیہ کہتے ہیں جیسے لفظ زید کی دلالت زید پر کیونکہ ذات پر کیونکہ بنانے والے نے لفظ زید کو ذات زید کے لیے بنایا ہے۔

دلالت لفظیہ طبعیہ جس میں دال ہو اور تعلق دال مدلول کے درمیان طبع کا ہو مدلول دال کی طبیعت کو لگے اور اس سے بلا اختیار دال صادر ہو جیسے لفظ اح اح کی دلالت سینہ کے درد دال انسان کی طبیعت کو جا کر لگا تو اس سے بلا اختیار دال صادر ہوا۔

آہ آہ لفظ ہیں کیونکہ زبان سے نکلتے ہیں۔ مگر ان کو کسی معنی کی ادائیگی کے لیے نہیں بولا جاتا۔ بلکہ کہنے والا بے اختیار زبان سے نکالتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے کہا تھا حاش اللہ اس کلمہ کی ان کے تعجب پر دلالت، یہ دلالت لفظیہ طبعیہ ہے کیونکہ تعجب کے تو انسانی طبیعت اس کے نکالنے کی مقتضی ہے۔

(۳) دلالت لفظیہ عقلیہ: جس میں لفظ دال ہو اور دال اور مدلول کے درمیان تعلق تاثیر کا ہو جیسے لفظ دیز جو کہ دیوار کے پیچھے سے سنا جائے اسکی دلالت بولنے والے کی ذات پر یہاں دال یعنی دیز یہ مدلول لافظ (بولنے والے) کا اثر ہے۔

لفظ دیز (جو کہ زید کا الٹ ہے) عربی زبان میں مہمل لفظ ہے جب کوئی انسان اسی کو دیوار کے پیچھے سے بولے گا تو سننے والے کو لفظ سے کچھ بات سمجھ نہ آئے گی کیونکہ لفظ موضوع نہیں ہے البتہ سننے والا اپنی عقل سے یہ فیصلہ کرے گا کہ دیوار کے پیچھے کوئی بولنے والا ہے۔ جس کی یہ آواز ہے۔ اس لیے یہ دلالت لفظیہ عقلیہ ہے۔

اس میں دیوار کے پیچھے کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کوئی آدمی سامنے یہ کلام لفظ دیز والا کرے تو اسکو دلالت لفظیہ عقلیہ نہیں کہیں

لطیفہ: ایک آدمی کا بچہ زیادہ بیمار ہوگیا ڈاکٹر کو لائے، اس نے کہا کہ بچہ مرگیا ہے، بچہ بولا ابو جان میں زندہ ہوں۔ باپ غصے سے بولا خاموش تیری بات مانیں یا ڈاکٹر کی۔ اس بارے میں بچے نے ڈاکٹر سے مناظرہ نہ کیا۔ بلکہ اس کی آواز سن کر انسانی عقل فیصلہ کرتی ہے کہ وہ زندہ ہے۔ وہ بچہ کوئی اور لفظ بھی بولتا یوں ہی کہہ دیتا کہ ابو جان میں مرگیا ہوں تو بھی اس کی زندگی پر دلالت عقلی ہو جاتی۔ یہ بھی دلالت لفظیہ عقلیہ ہے۔

دلالت غیر لفظیہ کی اقسام اسکی بھی تین قسمیں ہیں (۱) غیر لفظیہ وضعیہ (۲) غیر لفظیہ طبعیہ (۳) غیر لفظیہ عقلیہ

غیر لفظیہ وضعیہ جس میں دال لفظ نہ ہو اور ع دال مدلول کے درمیان وضع کا تعلق ہو جیسے دوال اربع (خطوط نصب اشارات عقود) کی دلالت اپنے معنی و مدلولات پر یہ غیر لفظیہ ہے کیونکہ یہ چیزیں الفاظ نہیں اور وضعیہ بھی ہے کیونکہ بنانے والے نے انکو مخصوص معنی کے لیے بنایا ہے۔ فوج اور پولیس کے ہر ہر عہدہ کے مطابق الگ الگ وردی اور بیج ہوتا ہے۔ اس وردی یا بیج کی اس عہدہ پر دلالت، دلالت غیر لفظی وضعی ہے۔

اللہ تعالی نے حضرت زکریا کی دعا قبول کر لی تو حضرت زکریا نے درخواس ت کی کہ اے اللہ میرے لیےکوئی نشانی مقرر کر دیجیۓ تا کہ معلوم ہو جائے کہ بیوی کں حمل قرار پا گیا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا آیتك ان لا تكلم الناس ثلاثة ايام الا رمزا ''تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن تک باتیں نہ کرسکو گے بجز اشارہ کے۔'' یہاں گفتگو پر قدرت کا نہ ہونا دال اور حمل کا ٹھہرنا مدلول ہے۔ یہ بھی دلالت غیر لفظیہ وضعیہ ہے۔

(۲) غیر لفظیہ طبعیہ جس میں دال لفظ نہ ہو اور دال اور مدلول کے درمیان تعلق طبع کا ہو جیسے سرعۃ نبض کی دلالت بخار پر یہاں بخار جا کر دال یعنی انسان کی طبیعت کو لگا اور اس سے بلا اختیار یعنی سرعۃ نبض صادر ہوا۔

(۳) دلالت غیر لفظیہ عقلیہ: جس میں دال لفظ نہ ہو اور دال اور مدلول کے درمیان تعلق تاثیر کا

ہو جیسے دھواں کی دلالت آگ پر یہاں دھواں یہ اثر ہے اور مدلول یعنی آگ وہ موثر ہے اسکی دوسری مثال جہاں دال موثر ہو اور مدلول اثر ہو جیسے آگ کو دیکھ کر دھویں کا یقین کرنا یہاں اگ دال وہ یعنی کہ موثر ہے اور مدلول دھواں ہے جو کہ اثر ہے تیسری مثال جہاں دالا ور مدلول دونوں کسی تیسری شئی کا اثر ہو جیسے دھویں کی دلالت حرارت یعنی گرمی پر یہاں دھواں دال اور حرارت مدلول ہے یہ دونوں ایک تیسری چیز آگ کا اثر ہیں اور آگ موثر ہے۔

حیوان کی آواز لفظ نہیں کہلاتی اور چونکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ بھوک پیاس کے وقت گھوڑا ایسی آواز نکالتا ہے ہنہنا تا لہذا یہ دلالت غیر لفظیہ طبعیہ ہے۔

اسی طرح بلی کا میاؤں میاؤں کرنا دودھ کے لیے اور کتے کے وجود پر یہ دلالت غیر لفظی عقلی ہے۔

ارشاد نبوی ہے الثیب احق بنفسها من ولیها و البکر تستامر و اذنها سکوتها تو باکرہ کی خاموشی اس کی اجازت پر دلالت کرتی ہے بخلاف ثیبہ کے۔

ہم کسی چیز سے دوسری چیز کو معلوم کریں اور اس کا سبب طبیعت کا تقاضا یا بندوں کی طرف سے تعیین نہ ہو اس کو دلالت عقلیہ کہتے ہیں جیسے حکیم نبض سے مرض معلوم کرتا ہے، ڈاکٹر ایکسرے یا خون ٹیسٹ وغیرہ کے ذریعہ بیماری کا اندازہ کرتے ہیں یہ سب دلالت غیر لفظیہ عقلیہ ہے۔

لطیفہ: ملا نصیر الدین کے پاس اس کا ایک دوست آیا اس سے گدھا مانگا ملا صاحب کہنے لگے گدھا کوئی لے کر گیا ہوا ہے اتنے میں گدھے کی بلند آواز آئی۔ وہ دوست کہنے لگا ملا صاحب گدھا تو موجود ہے ملا صاحب نے کہا کمال ہے آپ میری بات نہیں مانتے گدھے کی مانتے ہیں۔ اس قصے میں ملا کے دوست نے گدھے کی تصدیق نہ کی اور نہ ہی اس کی آواز کا مقصد سمجھ سکے بلکہ گدھے کی آواز اس کے وجود پر دال ہے یہ دلالت غیر لفظیہ ہے۔

اسی طرح یہ نظام کائنات اور خود انسان کا اپنا وجود اور اس کے تغیرات ایک خالق قیوم پر دال ہیں۔ اور یہ دلالت، دلالت غیر لفظیہ عقلیہ ہے۔

حضرت ابراہیم نے سورج چاند اور ستاروں کے تغیر سے اس پر دلیل پکڑی کہ یہ

عبادت کے حق دار نہیں یہ دلالت غیر لفظیہ عقلیہ ہے۔

لیکن منطقی حضرات صرف دلالت لفظیہ وضعیہ سے بحث کرتے ہیں۔

سوال: آپ صرف دلالت لفظیہ وضعیہ ہی سے بحث کیوں کرتے ہیں۔

جواب: منطقی حضرات صرف اس سے بحث کرتے ہیں جس کے استفادہ اور افادہ ہو۔ استفادہ اور افادہ فقط لفظیہ وضعیہ سے ممکن ہے اس لیے اسی سے بحث کرتے ہیں۔

سوال: اگر باقی اقسام سے استفادہ افادہ ممکن نہیں تو تیسرا المنطق والے ان کو ذکر کیوں کیا۔

جواب: الاشیاء تعرف باضدادھا یعنی اشیاء اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ تاکہ ان سے دلالت وضعیہ سمجھ میں آجائے۔

سوال: صاحب ایساغوجی نے ان کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

جواب: یہ رسالہ ہے اور رسالہ کے اندر اجمال ہوتا ہے اس لیے مصنف نے باقی اقسام کا ذکر نہیں کیا۔

سوال: آخر آپ کو صرف دلالت لفظیہ وضعیہ سے استفادہ اور افادہ کیوں ہوتا ہے بقیہ سے کیوں نہیں ہوتا۔

جواب: غیر لفظیہ سے اس لیے فائدہ نہیں ہوتا ہے کہ یہ الفاظ نہیں اور غیر الفاظ سے استفادہ اور افادہ ممکن ہے نہیں اور لفظیہ طبعیہ اور عقلیہ سے استفادہ اور افادہ اس لیے ممکن نہیں کیونکہ لوگوں کی طبیعتیں اور عقل برابر نہیں ہوتے۔ کسی کی عقل تھوڑی کسی کی زیادہ اسی طرح طبعیتیں۔

اللفظ الدال بالوضع على تمام ما وضع له بالمطابقة وعلى جزء ه بالتضمن ان كان له جزء وعلى مايلازمه فى الذهن بالالتزام كالانسان فانه يدل على الحيوان الناطق بالمطابقة وعلى احدهما بالتضمن وقابل العلم وصنعة الكتابة بالالتزام۔

ترجمہ دلالت وضعیہ میں اگر لفظ واضع کی وضع کی وجہ سے تمام معنی موضوع لہ پر دلالت کرے تو مطابقہ ہے اور (اگر) اس کے جزء پر دلالت کرے تو تضمن ہے، بشرطیکہ اس (معنی موضوع لہ) کا جزء ہو اور (اگر) اس چیز پر دلالت کرے جو لازم ہو اس (معنی موضوع لہ) کو ذھن میں تو التزام ہے جیسے انسان۔ پس یہ دلالت کرتا ہے حیوان ناطق پر مطابقہ کے ساتھ۔ اور ان میں سے کسی ایک پر (دلالت کرتا ہے) تضمن کے ساتھ۔ اور قابلیت علم اور صنعت کتابت پر (دلالت کرتا ہے) التزام کے ساتھ۔

ترکیب (اللفظ) مرفوع بالضمہ لفظاً موصوف (الدال) مرفوع بالضمہ لفظاً صفت (بالوضع) جار مجرور متعلق دال کے۔ (علی تمام ما وضع لہ) متعلق دال کے۔ دال ہر دو متعلق سے مل کر صفت۔ موصوف صفت مل کر مبتدا۔ (بالمطابقۃ) جار مجرور متعلق یسمی فعل محذوف کے۔ (یسمی) فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ (علی جزءٖ) متعلق دال کے۔ دال اپنے متعلق سے مل کر صفت۔ موصوف صفت مل کر مبتداء۔ (بالتضمن) متعلق یسمی محذوف کے ہو کر دال علی الجزاء مقدم اور (ان کان لہ جزء) شرط موخر۔ دال علی الجزاء مقدم شرط موخر سے مل کر خبر۔ (علی مایلازمہ فی الذھن) متعلق دال کے۔ دال اپنے متعلق سے مل کر صفت۔ اللفظ موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتداء۔ (بالالتزام) جار مجرور متعلق یسمی فعل محذوف کے۔ یسمی فعل محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ (کالانسان) جار مجرور متعلق کائن کے ہو کر خبر ہے مبتدا محذوف کی جو کہ (نحوہ) ہے۔

فانہ : ان حرف از حروف مشبہ بالفعل لہ ضمیر اسم یدل علی الحیوان ناطق بالمطابقۃ معطوف علیہ وعلی

احدھما بالتضمن معطوف علیہ معطوف وقابل العلم وصنعۃ الکتابۃ بالالتزام معطوف۔ معطوف علیہ معطوفین سے مل کر خبر ہوئی انّ کی۔ انّ اپنی اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔

اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض دلالت لفظیہ وضعیہ کی تین قسموں کو بیان کرنا ہے کہ دلالت لفظیہ وضعیہ کی تین قسمیں ہیں۔(۱) دلالت مطابقہ (۲) دلالت تضمن (۳) دلالت التزام۔

سوال: ہوتا ہے کہ منطق کی دو ہیں (۱) تصورات۔(۲) تصدیقات۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے دودو حصے ہیں۔(۱) مبادی۔(۲) مقاصد۔ تصورات کے مبادی کلیات خمسہ اور مقاصد قول شارح ہے۔ تصدیات کے مبادی۔ قضایا اور ان کے احکام ہیں اور مقاصد دلیل و حجت ہیں۔ تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو چاہیے تھا کہ منطق کے مبادی اور مقاصد سے پہلے دلالت اور الفاظ سے بحث کیوں شروع کردی۔

جواب: یہ ہے کہ اظہار مافی الضمیر موقوف ہے الفاظ پر اور الفاظ سے معانی سمجھنا موقوف ہے دلالت پر۔ الغرض سمجھنا اور سمجھانا موقوف تھا الفاظ اور دلالت پر۔ اس لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظ اور دلالت سے بحث کو شروع کیا۔

بالوضع: وضع کا لغوی معنی ہے رکھنا۔ اور اصطلاحی معنی ہے ایک شئے کو دوسری شئے کے ساتھ اس طرح خاص کردینا کہ پہلی شئی کے علم سے دوسری شئے کا علم ہو جائے۔ پہلی شئے کو موضوع اور دوسری شئے کو موضوع لہ کہتے ہیں۔ جیسے لفظ چاقو یہ وضع کیا گیا ہے پھل اور دستہ کے لیے۔ لفظ چاقو موضوع، پھل اور دستہ موضوع لہ ہوئے۔

وعلی مایلازمہ: اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لفظ ہر امر خارج پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس امر خارج پر دلالت کرتا ہے جو معنی موضوع لہ کو لازم ہو۔

فی الذھن: اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

دلالت التزام کے لیے لزوم ذہنی ہی کافی ہے۔ لزوم خارجی شرط نہیں۔ مثلاً بصر عمی کو ذہن میں لازم ہے ورنہ خارج میں تو ان دونوں کے درمیان منافات ہے۔

ترجمہ لفظ ایسا لفظ جو دلالت کرتا ہے ساتھ وضع کے تمام پر جس کے وہ وضع کیا گیا ہے اور یہ مطابقی دلالت کہلاتی ہے یا اس کے جز پر دلالت کرتا ہے اور یہ تضمنی کہلاتی ہے اگر اس کے لی جز ہو۔ اور اس پر دلالت کرتا ہے جو ذہن کے اندر کو لازم ہے اور یہ دلالت التزامی کہلاتی ہے جیسے انسان پس بے شک وہ (انسان) دلالت کرتا ہے حیوان ناطق پر بحیثیت دلالت مطابقی کے اور دلالت کرتا ہے حیوان پر یا ناطق پر یعنی اس مین سے ایک پر بحیثیت دلالت مطابقی کے اور دلالت کرتا ہے حیوان پر یا ناطق پر یعنی اس میں سے ایک پر بحیثیت دلالت تضمنی کے اور دلالت کرتا ہے قابلیت علم اور فن کتابت پر بحیثیت دلالت التزامی کے۔

وجہ حصر : لفظ دال یا پورے موضوع لہ پر دلالت کرے گا یا اس کے جزو پر دلالت کرے گا یا اس کے لزوم پر دلالت کرے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز موضوع لہ کے لیے ہے ہی نہیں جس پر دلالت کرے گا۔ لہذا فقط یہی تین اقسام ہی ممکن ہیں۔ جب پورے موضوع لہ پر دلالت کرے تو دلالت مطابقی اور جب جز پر دلالت کرے تو دلالت تضمنی اور جب اس کے لازم پر دلالت کرے تو دلالت التزامی ہے۔

مطابقی کی تعریف : اللفظ الاول بالوضع علی تام ما وضع له بالمطابقة اللفظ الدال مبتداء محذوف الخبر ہے یعنی سمیت دلالۃ بالمطابقة۔

سوال تمام ما وضع له کہا ہے اور جمیع ما وضع له کیوں نہیں کہا۔

جواب اس لئے کہ لفظ جمیع مشعر بہ اجزاء ہے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ جس ماوضع لہ کے اجزاء نہ ہوں وہاں للت مطابقی نہیں ہوگی اور یہ غلط ہے کیونکہ لفظ اللہ دلالت ذات پر مطابقی ہے حالانکہ باری تعالیٰ اجزاء سے مبری اور منزہ ہیں۔

اور اگر لفظ کا مصداق کل ہو یعنی مختلف اجزاء سے مرکب ہو تو دلالت مطابقی تب ہوگی جب کل

مراد ہو جیسے آپ کہیں میں نے قرآن پاک حفظ کیا تو اگر پورا قرآن پاک حفظ کیا تو دلالت مطابقی ہوگی۔

اگر انسان کوئی ایسا لفظ بولتا ہے جو کئی اجزاء سے مرکب ہے اگر اس سے مکمل مجموعہ مراد ہو یہ دلالت مطابقی ہے اور اگر اجزاء ضمنی طور پر سمجھ میں آ جائیں تو دلالت تضمنی ہے۔ جیسے کوئی کہے میں نے قرآن پاک حفظ کر لیا اس سے مکمل قرآن کریم کا معنی دلالت مطابقی سے ہے اور ہر ہر سورت کا معنی دلالت تضمنی سے سمجھ آتا ہے، اس کی صراحت یا ارادے کی ضرورت نہیں ہے۔

البتہ کبھی لفظ بول کر کسی جزء پر ہی دلالت مقصود ہوتی ہے جیسے شاگرد کہے میں نے ہدایۃ النحو کا مطالعہ کیا یہاں ہدایۃ النحو سے اس کا کچھ حصہ مراد ہے، ساری ہدایۃ النحو نہیں۔ تو اگر جزء ہی مراد ہو، یہ مجاز کہلاتا ہے۔ نہ کہ دلالت تضمنی۔

سوال: مطابقت کو مصدر معلوم کہو تو معنی ہوگا مطابق اور یہ مطابق ہونے والے یعنی لفظ کی صفت ہے اور اگر مصدر مجہول ہو تو معنی ہوگا مطابق کیا ہوا اور یہ معنی کی صفت ہے بہر صورت مطابقت لفظ یا معنی کو کہنا چاہئے نہ دلالت کو۔

جواب: اس میں مجاز ہے تسمية الشيء بوصف احد طرفيه۔

دوسرا جواب: قطع نظر از مصدر معلوم و مجہول صرف موافقت کے معنی کے لحاظ سے یہ نام ہے۔

قوله و على جزئه بالتضمن ان كان له جزء یہاں بھی اس کی خبر اسی طرح سمیت الخ محذوف ہے۔ اور یہاں بھی اعتراض ہوتا ہے کہ تضمن مصدر معلوم ہو تو معنی ہوگا کہ پکڑنا اور یہ کل ما وضع له کی صفت اور مجہول ہوتی ہے پکڑا ہوا اور یہ جزء ما وضع له کی صفت ہے تو کل یا جزء کو تضمن کہنا چاہیے تھا نہ کہ دلالت کو۔

و اجيب عنه بالجوابين المذكورين السابقين

پھر تضمن میں دو قول ہیں۔ منطقیین کا کہ اراده جزء لكن لا من حيث انه في ضمن الكل اور اصولی کہتے ہیں کہ ارادة الجزء من حيث انه في ضمن الكل اور ان کان جزء کی

قید اس لیے ہے کہ جزء نہ ہوئی ہو تو دلالت مطابقی ہوگی۔

(علی ما یلازمہ فی الذھن بالاستزام یہ بھی مبتداء محذوف الخبر ہے ای سمیت الخ اور یہاں بھی وہی اعتراض ہوگا کہ التزام کو مصدر بناؤ تو معنی لازم گرفتن اور یہ ما وضع لہ کی صفت ہے اور اگر مصدر مجہول بناؤ تو معنی ہوگا لازم گرفتہ شدہ اور وہ امر خارج ہے تو یہ ما وضع لہ یا امر خارج کی صفت ہونی چاہئے نہ کہ دلالت ہے۔

جواب مامر سابقا۔ باقی رہی یہ بات کہ امر خارج کے ساتھ لازم کی قید کیوں لگائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ورنہ لازم آتا ہے احصار امور غیر متناھیہ کافی آن واحد وھو محال۔

علی مایلازمہ فی الذھن : یہاں پر لفظ یلازم استعمال ہوا ہے اس کی وضاحت کرنے سے پہلے دو تمہیدی باتوں کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔

(ا) جہان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جہان خارجی وہ جہان جو ظاہراً موجود ہے جو آگے پیچھے اوپر نیچے جو چیزیں نظر آتی ہیں وہ جہان خارجی میں شامل ہیں۔

(۲) جہان ذہنی۔ وہ جہان جو ذہن میں آباد ہے۔ یہ سب اشیاء کی صورت جو ذہن میں ہے جہان ذہنی ہی ہے۔ یعنی جو اشیاء ہمیں خارج میں نظر آرہی ہیں وہی اشیاء ذہن میں سمائی ہوئی ہیں۔

لزوم کی تعریف: کسی امر خارج کا اس طرح ہونا کہ معنی موضوع لہ اس امر خارج کے بغیر نہ پایا جائے۔

لازم کی اقسام (باعتبار تقسیم اول)

(۱)۔ **لازم ماھیت** : جو کسی ماہیت کو لازم ہو یعنی جو خارجی جہان میں بھی ہو اور جہان ذہنی میں بھی جیسے زوجیت اربع کو لازم ہے۔ چار کی ماہیت کسی بھی چیز میں ہو اس کو زوجیت (یعنی جفت ہونا لازم ہے جیسے چار کتابیں۔

(۲)۔ **لازم وجود خارجی** : جو صرف جہان خارجی میں واقع ہو۔ یعنی جس میں ملزوم خارج کے

اندر بغیر لازم کے نہ پایا جائے جیسے جیسے خرق (پھٹنا) غرق (ڈوبنا) اور حرق (جلنا)۔

(۳)۔**لازم وجود ذہنی**: جس میں ملزوم کا تصور بغیر لازم کے ذہن میں نہ ہو سکے یعنی جو فقط جہان ذہنی میں ہو جیسے قابلیت علم کا وقوع صرف جہان ذہنی میں ہے۔

لزوم ذہنی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) لزوم ذہنی عقلی (۲) لزوم ذہنی عرفی

لزوم ذہنی عقلی: کسی امر خارج کا اس طرح ہونا کہ معنی موضوع لہ کا تصور اس امر خارج کے بغیر عقلاً محال ہو۔ جیسے بصر اعمٰی کو لازم ہے۔

لزوم ذہنی عرفی: کسی امر خارج کا اس طرح ہونا کہ معنی موضوع لہ کا تصور اس امر خارج کے بغیر عرفاً محال ہو۔ جیسے سخاوت حاتم کو عرف میں لازم ہے۔

عبارت کی تشریح تصور ملزوم ذہن میں پایا جائے تو تصور لازم بھی ضرور ہوگا جیسے اعمٰی کا تصور بغیر بصر کے نہ ہوگا، اعمٰی کہتے ہیں عدم البصر من شانہ ان یکون بصیراً (یعنی دیکھتا نہ ہو مگر صلاحیت رکھتا وہ دیکھنے کی) یعنی ذہن میں عدم البصر کا تصور بغیر بصر کے نہیں ہو سکتا تو جو دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا (مثلاً دیوار) تو وہ نابینا کیسے ہو سکتا ہے۔

فائدہ دلالت التزامی میں معتبر لازم وجود ذہنی ہے نہ کہ باقی دو۔

اگر لازم ماہیت مراد لیتے ہیں تو اعمٰی کی ماہیت کو بصر لازم ہو جائے گا اور پھر ہر اندھا دیکھنے والا ہو جائے گا۔ اور اگر لازم وجود خارجی مراد لیتے ہیں تو اعمٰی کو خارج میں بصر لازم ہو جائے گا تو پھر ہر اعمٰی دیکھنے والا ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ لازم وجود ذہنی ہے کیونکہ اعمٰی کو ذہن میں بصر لازم ہوگا یعنی اعمٰی دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوگا مگر دیکھتا نہیں۔

سوال تم نے دلالت اعمٰی علی البصر کو دلالت التزامی بنایا ہے حالانکہ بصر تو عدم البصر کی جزء ہے اور وہ دلالت تضمنی ہے نہ کہ التزامی۔

جواب اعمی کا معنی عدم البصر نہیں کیونکہ عدم البصر سے مراد یا فقط عدم یا البصر یا

دونوں عدم اور بصر کی درمیانی نسبت بایں طور کہ بصر خارج ہو۔ اب عدم تو بن نہیں سکتا کیونکہ اس لیے عدم بمعنی معدوم اور اعمٰی موجود ہوتا ہے معدوم نہیں اور فقط ور اعمٰی کا معنی بصر بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ بصر بمعنی بصیر اور عمی بصیر نہیں ہوتا۔ اور جب ہر ایک علیحدہ علیحدہ نہیں بن سکتے تو ان کے ملانے سے بھی نہیں بن سکیں گے۔ ان کا مجموعہ اس وجہ سے جمع نہیں ہوسکتا کہ اجتماع متنافیین لازم آئے گا یعنی عدم بمعنی معدوم اور بصر بمعنی بصیر اور وہ موجود ہوتا ہے تو معدوم اور موجود ایک دوسرے کے منافی ہیں۔

تو اب فقط یہی صورۃ ہے کہ عدم کی نسبت ہو بصر کی طرف اور بصر خارج ہو کیونکہ مضاف الیہ مضاف میں داخل نہیں ہوتا جیسے جائی غلام زید۔ اور یہ بات ظاہر کہ خارج پر دلالت التزامی ہی ہوا کرتی ہے۔

سوال: پھر معترض کہتا ہے کہ تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ یہ غیر پر صادق آتی ہے جیسے جدار کہ وہ بھی عدم البصر ہے۔

جواب: یہ ہے کہ عمی کی تعریف میں ایک اور قید لگائیں گے عدم البصر عما من شانہ ان یکون بصیرا وھولیس بوجود فی الجدار فلا اعتراض فافہم

سوال: پھر سوال وارد ہوتا ہے کہ یہ تعریف جامع نہیں کیونکہ مادرزاد اندھے کو شامل نہیں ہے۔ کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ اس کی شان سے بھی بصارۃ نہیں ہے۔

جواب: وہاں ایک قید اور معتبر ہے یعنی عما من شانہ ومن شان نوعہ ان یکون بصیراً پھر کوئی کہتا ہے کہ یہ تعریف بھی اپنے افراد کو شامل ہیں ہے کیونکہ عقرب جس کے نوع سے بصارت مقصود ہے اس پر صادق نہیں آتی۔

جواب: یہاں ایک اور قید بھی معتبر ہے عما من جنسہ ان یکون بصیرا اور عقرب کی جنس سے بصارت ہے۔

لازم باعتبار تقسیم ثانی

تمہید ثانی: بعض اوقات ایک چیز دوسری چیز کو چمٹی ہوئی ہوتی ہے جو چمٹی ہوئی ہوتی ہے اسے لازم کہتے ہیں اور جس کے ساتھ چمٹی ہویہوتی ہے اسے ملزوم کہتے ہیں۔ اور دنوں کے درمیان والے تعلق کو لزوم کہتے ہیں۔

لازم باعتبار تقسیم ثانی چار قسم پر ہے۔ جس کی تقسیم کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ لازم دو قسم ہے (۱) بین (۲) غیر بین۔ پھر ہر ایک دو دو قسم پر ہے (۱) بمعنی الاخص (۲) بمعنی الاعم۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہی سے لازم کو چار قسم بنائیں۔

(۱) بین بمعنی الاخص (۲) بین بمعنی الاعم۔ (۳) غیر بین بمعنی الاخص (۴) غیر بین بمعنی الاعم۔

بین بمعنی الاخص: وہ ہے جو کہ ملزوم کے تصور سے لازم کا تصور آجائے جیسا کہ عمی کے تصور سے بصر کا تصور آجاتا ہے۔

غیر بین بمعنی الاخص: وہ ہے کہ ملزوم کے تصور سے لازم کا تصور نہ آتا ہو جیسے زوجیت کے تصور سے اربعہ کا تصور نہیں آتا۔

بین بمعنی الاعم: وہ ہے کہ لازم اور ملزوم کے تصور سے جزم باللزوم ہو جائے کسی دلیل کی احتیاج نہ رہے جیسا کہ زوجیت اور اربعہ کے تصور سے جزم باللزوم آجاتا ہے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔

غیر بین بمعنی الاعم: کہ دونوں کے تصور سے جزم باللزوم نہ آجاتا ہو بلکہ دلیل کی طرف احتیاج ل رہے۔ جیسا کہ العالم حادث کہ دونوں کے تصور سے جزم باللزوم نہیں ہوتا بلکہ دلیل کی طرف حاجت پڑی کہ لانہ متغیر و کل متغیر حادث۔

سوال: اب جب کہ لوازم چہار قسم ہوئے تو یہاں کونسا مراد ہے۔

جواب: اس میں دو مذہب ہیں۔ (۱) ایک جمہور کا (۲) ثانی امام رازی کا جمہور لازم بین بمعنی الاخص کہتے ہیں اور امام رازی بالمعنی الاعم کے قائل ہیں۔

صاحب ایساغوجی کی مثال ''وصنعۃ الکتابۃ بالالتزام'' یہ امام رازیؒ کے مسلک پر ہے۔ جب کہ علمائے جمہور فرماتے ہیں کہ دلالت التزامی کے لیے یہ مثال درست نہیں اس وجہ سے کہ انسان ملزوم ہے اور قابلیت علم لازم ہے لیکن انسان کے تصور سے قابلیت علم کا تصور یقینی طور پر نہیں آتا۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ یعنی انسان کی قابلیت علم پر دلالت جائز ہے اس لیے کہ اس میں لزوم کا یقین ہو جاتا ہے کہ انسان کے تصور سے اور قابلیت علم کے تصور سے لزوم کا یقین ہو جاتا ہے اس وجہ سے صحیح ہے

سوال: آیا ہر ماہیت کے لیے لازم کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔

جواب: اس میں بھی جمہور اور امام رازی کا اختلاف ہے جمہور کہتے ہیں کہ ہر ماہیت کے لیے لازم کا ہونا ضروری نہیں اگر بین بمعنی الاخص ہو تو فبہا ورنہ ضرورت نہیں ہے۔

اور امام رازی کہتا ہے کہ ضروری ہے۔ اگر اور کچھ نہ ہو تو کم از کم یہ تو ہوگا کہ لیس غیرہ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی شیء کا تصور کرتے ہوئے غیر کا تصور بھی نہیں آتا چہ جائے کہ لا غیرہ لیس غیرہ کا تصور آجائے۔

پہلی مثال قابلیت علم ہے یہ ایک ایسی قابلیت ہے کہ انسان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اور کسی کو نہیں دی۔

دوسری مثال صنعت کتابت یعنی لکھنے کی کاری گری یہ بھی اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کے ساتھ خاص کی ہے دنیا میں کسی چیز میں بھی لکھنے کی صلاحیت نہیں۔

سوال: مصنف کی مثال علی مذہب الجمہور صحیح نہیں کیونکہ وہ لازم سے مراد لازم بین بمعنی الاخص لیتے ہیں یعنی تصور ملزوم سے تصور لازم آجائے گا حالانکہ تصور انسان سے قابلیۃ العلم الخ کا تصور نہیں آتا ہاں امام رازی صاحب کے نزدیک یہ مثال صحیح ہے کیونکہ وہ بین بمعنی الاعم مراد لیتا ہے۔ یعنی لازم ملزوم کے تصور سے جزم باللزوم آجائے کسی دلیل کی حاجت نہ ہو۔ اور یہاں انسان اور قابل العلم کے تصور سے جزم باللزوم آجاتا ہے اگر تحقیق سے دیکھا جائے تو امام رازی

بھی بالمعنی الاخص کے ہی کے قائل ہیں تو دونوں مذاہب پر مثال صحیح نہیں ہے۔

جواب: یہ مثال فرضی ہے۔

سوال: تمہاری تعریف اپنے افراد کے لیے نہ تو جامع ہے اور نہ ہی دخول غیر سے مانع بھ۔ کیونکہ ایک مثال ایسی ہے جو کہ کل بھی اوور خاج بھی اور جزء بھی اور تعریفوں میں التباس پڑتا ہے دیکھو شمس اس میں بعض کہتے ہیں کہ جرم وضوء دونوں کے لیے ہے اور بعض قائل ہیں کہ وضع تو جرم کے لیے ہے لیکن ضوء اس کو لازم ہے۔ اور بعض اس کے عکس کے قائل ہیں اور جو دونوں کے لیے وضع کے قائل ہیں انکے نزدیک دونوں پر دلالت مطابقی ہوگی اور ہر دو پر دلالت تضمنی اور جو قائل ہیں کہ وضع جرم کے لیے اور ضوء اس کو لازم ہے ان کے نزدیک جرم پر دلالت مطابقی ہوگی اور ضوء پر دلالت التزامی ہوگی اور جو کہتے ہیں کہ وضع ضوء کے لیے ہے اور جرم اس کو لازم ہے ان کے نزدیک برعکس ہے۔

جواب: یہ ہے کہ تعاریف میں حیثیات معتبر ہوتی ہیں۔ لولا الحیثیات لبطل الحکمۃ۔ اس حیثیت سے کل کے لیے وضع ہے دلالت مطابقی اور بایں حیثیت کہ وضع جزء کے لیے ہے تو دلالت تضمنی اور اس حیثیت سے کہ وضع کل کے لیے ہے اور یہ خارج اس کو لازم ہے تو دلالت التزامی فلا اعتراض والتباس۔

وجہ حصر: اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض دلالت لفظیہ وضعیہ کی تین قسموں میں منحصر ہونے کی وجہ کو بیان کرنا ہے فرماتے ہیں کہ دلالت لفظیہ وضعیہ میں لفظ کی دلالت تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو لفظ پورے معنی موضوع لہ پر دلالت کرے گا یا معنی موضوع لہ کے جزء پر دلالت کرے گا یا معنی موضوع لہ کے لازم پر دلالت کرے گا۔ اول کو مطابقہ، ثانی کو تضمن اور ثالث کو التزام کہتے ہیں۔

دلالت مطابقہ: وہ دلالت لفظیہ وضعیہ ہے کہ لفظ اپنے پورے معنی موضوع لہ پر دلالت کرے۔ جیسے انسان کی دلالت مجموعہ حیوان ناطق پر۔

دلالت تضمن: وہ دلالت لفظیہ وضعیہ ہے کہ لفظ اپنے معنی موضوع لہ کے جزء پر دلالت کرے جیسے انسان کی دلالت حیوان پر یا ناطق پر۔

دلالت التزامی: وہ دلالت لفظیہ وضعیہ ہے کہ لفظ اپنے معنی موضوع لہ کے لازم پر دلالت کرے۔ جیسے انسان کی دلات قابلیت علم پر۔

دلالت مطابقی کی وجہ تسمیہ: مطابقت بمعنی موافقت اور یہ طابق النعل بالنعل سے ماخوذ ہے، اس میں لفظ اپنے تمام معنی موضوع لہ کے ساتھ موافق ہے وہ موافق جس سے مقدار بھی پوری مراد ہوسکتی ہے اور معنی موضوع لہ بھی پورا مراد ہوسکتا ہے یاء نسبتی ہے۔

دلالت تضمنی کی وجہ تسمیہ: دلالت تضمن کو تضمن اس لیے کہتے ہیں کہ تضمن کا معنی ہے بغل میں لینا۔ چونکہ اس دلالت میں معنی مدلول معنی موضوع لہ کے بغل میں ہوتا ہے، اس لیے اس کو دلالت تضمن کہتے ہیں۔

دلالت التزامی کی وجہ تسمیہ: دلالت التزام کو التزام اس لیے کہتے ہیں کہ التزام کا معنی ہے، لازم ہونا۔ چونکہ اس دلالت میں معنی مدلول معنی موضوع لہ کو لازم ہوتا ہے۔ اس لیے اسے دلالت التزام کہتے ہیں۔

ان کان لہ جزء: سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر معنی موضوع لہ کا جزء ہوگا تو دلالت تضمن پائی جائے گی اور اگر معنی موضوع لہ کا جز نہیں ہوگا تو دلالت تضمن نہیں پائی جائے گی۔

دلالت مطابقہ اور دلالت تضمن میں نسبت کا بیان:

دلالت مطابقہ اور دلالت تضمن کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ دلالت مطابقہ عام مطلق ہے اور دلالت تضمن خاص مطلق ہے۔ بغیر یعنی مطابقہ تضمن کے بغیر پائی جاسکتی ہے اور تضمنی بغیر مطابقہ کے نہیں پائی جاسکتی۔ کیونکہ دلالت مطابقہ میں کل پر دلالت ہوتی ہے جو کہ اصل ہے اور دلالت تضمن میں جزء پر دلالت ہوتی ہے جو کہ فرع ہے۔ اور اصل فرع کے بغیر پائی

جاسکتی ہے، اور فرع اصل کے بغیر نہیں پائی جاسکتی۔ ان کان لہ جزء سے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

دلالت مطابقہ اور دلالت التزام کے درمیان نسبت:

دلالت مطابقی اور دلالت التزامی میں بھی عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ دلالت مطابقی عام مطلق ہے اور دلالت التزامی خاص مطلق ہے۔ یعنی دلالت مطابقہ التزام کے بغیر پائی جاسکتی ہے اور دلالت التزام بغیر مطابقہ کے نہیں پائی جاسکتی۔ کیونکہ مطابقہ میں ملزوم اور متبوع پر دلالت ہوتی ہے جو کہ اصل ہے۔ اور التزام میں لازم اور تابع پر دلالت ہوتی ہے جو کہ فرع ہے۔ اصل فرع کے بغیر پائی جاسکتی ہے لیکن فرع اصل کے بغیر نہیں پائی جاسکتی۔

اور امام رازی قائل ہیں کہ ان کے درمیان نسبت تساوی کی ہے یعنی جہاں التزامی ہو وہاں مطابقی ضروری ہوگی کیونکہ ہر امر خارج لازم کے لیے ماوضع لہ کا ہونا ضرور ہے اور جہاں مطابقی ہوئی وہاں التزامی ضرور ہوگی کیونکہ ہر ماھیت کے لیے لازم کا ہونا ضروری ہے۔ تضمنی اور التزامی میں بھی دو مذہب ہیں۔ جمہور کے نزدیک نسبت عموم خصوص من وجہ ہے اس میں ثلاثہ مواد ہونگے۔ ایک میں تضمنی اور التزامی دونوں ایک جگہ تضمنی ہوگی من دون الالتزامی۔

و فی موضع عکسہٗ ای یوجد الالتزام دون التضمن۔

اور امام رازی صاحب کے نزدیک نسبت عام خاص مطلق کی ہے تضمنی عام مطلق ہے اور التزامی خاص مطلق ہے تضمنی کے ہوتے ہوئے التزامی کا ہونا ضروری نہیں ہے بخلاف العکس لانہ لایوجد خارج بدون ما وضع لہ بعد ازیں واضح ہو کہ پہلی دلالتوں میں وضعی طبعی اور عقلی کے درمیان حصر استقرائی ہے اور مطابقی تضمنی التزامی کے درمیان حصر عقلی ہے۔

سوال: آپ نے جو یہ کہا ہے کہ قابلیت علم اور فن کتابت انسان کو لازم ہے یہ ٹھیک نہیں کیونکہ کئی انسان ایسے ہیں جن کے اندر یہ صلاحیتیں نہیں جیسے دیہاتی وغیرہ۔

جواب: اگر چہ بالفعل یہ چیزیں ان کے اندر نہیں لیکن بالقوہ تو ضروری ہیں۔ اگر کبھی دیہاتی

کو پڑھانے اور لکھانے کا اہتمام کرلیا جائے تو یہ صلاحیت اس کے اندر پیدا ہو جائے گی۔

ثم اللفظ اما مفرد و هو الذي لا يراد بالجزء من دلالة على جزء معناه كالانسان
واما مؤلف وهو الذي لا يكون كذالك كقولك رامي الحجارة۔

ترجمہ پھر لفظ یا تو مفرد ہوگا، مفرد وہ لفظ ہے کہ اس کے جزء سے اس کے معنی کے جزء پر دلالت کا ارادہ نہ کیا جائے جیسے انسان۔ اور یا مرکب ہوگا۔ اور مرکب وہ لفظ ہے کہ جو اس طرح نہ ہو جیسا کہ تیرا قول ہے پتھر کا پھینکنے والا۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ لفظ کی دو قسموں کو بیان کرتے ہیں کہ لفظ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مفرد۔ (۲) مرکب۔ لیکن یاد رکھیں کہ لفظ سے مراد اللفظ الدال بالوضع مطابقۃً ہے۔

نحوی حضرات مفرد اور مرکب کی بالکل آسان تعریف کرتے ہیں مفرد وہ ہے جو اکیلا ہو اور مرکب وہ ہے جو دو یا دو سے زیادہ سے مل کر بنے۔ اور منطقی حضرات ان کی اور تعریف کرتے ہیں۔

مفرد کی تعریف: مفرد وہ لفظ ہے کہ اس کے جزء سے اس کے معنی کے جزء پر دلالت کا ارادہ نہ کیا جائے جیسے زید۔ مفرد کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) لفظ کا جزء ہی نہ ہو جیسے ھمزہ استفہام۔

(۲) لفظ کا جزء ہو مگر معنی دار نہ ہو جیسے انسان۔

(۳) لفظ کا جزء بھی ہو معنی دار بھی ہو لیکن معنی مقصودی پر دلالت نہ کرتا ہو، جیسے کسی آدمی کا نام عبدالرحمان ہو۔

(۴) لفظ کا جزء بھی ہو معنی دار بھی ہو اور معنی مقصودی پر دلالت بھی کرتا ہو، لیکن تم نے اس دلالت کا ارادہ نہ کیا ہو جیسے کسی آدمی کا نام حیوان ناطق ہو۔

فائدہ مفرد چار چیزوں کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ (۱) مفرد تثنیہ جمع مقابلے میں۔ (۲) مفرد مضاف اور شبہ مضاف کے مقابلے میں۔ (۳) مفرد جملہ اور شبہ جملہ کے مقابلے

میں۔(۴) مفرد مرکب کے مقابلے میں، یہاں مرکب کے مقابلے میں ہے۔

سوال: تمہاری مفرد کی تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ مہمل پر بھی صادق آتی ہے اس کی بھی جزء لفظ سے معنی کی جزء پر دلالت نہیں ہوتی۔

جوب: لفظ سے مرادلفظ موضوع ہے۔

پھر **سوال:** وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ مراد تھا کہ موضوع کو ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔

جواب: بوجہ شہرت کے کہ لفظ موضوع دو قسم ہوتا ہے مفرد اور مرکب کی طرح اس قید کو ذکر نہیں کیا۔

جواب ثانی: اول سوال کے لیے جواب ثانی اللفظ میں الف لام عہدی اشارہ لفظ موضوع کی طرف۔

جواب ثالث: کہ اگر اعادہ معرفہ کا معرفہ کے ساتھ ہو تو ثانی عین اول ہوتا ہے

جواب رابع: کہ لفظ مفرد ہے کہ دلالت کر سکے بخلاف لانہ لیس من شانہ ایضا

جواب خامس: کہ اگر لفظ مفرد کی تعریف مہمل پر صادق آئے جب ہی کوئی مضائقہ نہیں ہے اور صرف جمہور کی مخالفت کو پیش نظر رکھ کر پیش کرنا غیر معتد بہ ہے کیونکہ یہ ماتن کی اپنی اصطلاح ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

سوال: تمہاری تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ انسان پر صادق نہیں ہے۔اس لئے کہ لفظ کے اجزاء ابجد کے لحاظ سے معنی کے اجزاء پر دال ہے۔ چنانچہ الف ایک پر اور نون کے ۵۰ اعداد، سین ساٹھ پر دلالت کرتے ہیں اور ایک الف ایک عدد پھر نون ۵۰ اعداد ہیں تو اس لحاظ سے لفظ انسان ۱۶۲ اعداد پر دلالت کرتا ہے۔ معنی کے اجزاء پر لفظ کے اجزاء دلالت کرر ہے ہیں تو یہ مرکب ہے نہ کہ مفرد۔

جواب: ارادہ اور دلالت سے مراد وہ ہے کہ علی طریق اہل اللغۃ ہو۔ نہ کہ اہل ابجد کے حساب سے ہو۔

سوال: تمہاری تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ ضرب میں لفظ کی جزئیں معنی کی جزؤں پر دال

ہیں لفظ کی دو جزئیں ہیں مادہ اور ھیئۃ اور معنی کی تین جزئیں ہیں۔

نسبت، زمانہ، حدث۔ تو مادہ حدث پر دلالت کرتا ہے اور ہیئت نسبت اور زمانہ پر۔

جواب: اجزاء سے مراد وہ ہیں جو کہ مرتب فی السمع ہوں یعنی ایک اولاً دوسری بعد میں جیسا کہ رامی الحجارۃ میں بخلاف ضرب کے۔ کیونکہ اس کے تکلم سے مادہ اور ھیئت بیک وقت سنے جاتے ہیں

سوال: کہ تمہاری تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ یہ مرکبات پر صادق آتی ہے جیسے زید قائم۔

جواب: دلالت سے مراد عام ہے کہ بالفعل ہو یا کہ بالقوۃ ہو اس جگہ اگرچہ بالفعل نہ سہی لیکن بالقوۃ ہے۔

مرکب کا دیگر نام مؤلف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں متحد ہیں و بعضھم قائلون بانھما مختلفان جو اختلاف کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مؤلف وہاں ہوتا ہے کہ جزؤں کے درمیان تناسب ہو جیسا کہ زید قائم و المرکب اعم من ان یکون متناسب الاجزاء ام لا کما فی زید عمر و بکر و غیر المتناسب کما فی زید حجر و الانسان حجر وغیرذالک

مرکب: وہ لفظ مرکب ہے کہ اس کے جزء سے اس کے معنی کے جزء پر دلالت کا ارادہ کیا گیا ہو جیسے رامی الحجارہ بمعنی پتھر پھینکنے والا۔

مؤلف کے وجود کے لیے پانچ شرطیں ہیں۔ (۱) جزء لفظ ہو (۲) جزء معنی کی بھی ہو۔ (۳) جزء لفظ کی دال ہو۔ (۴) معنی مقصودی ہو (۵) دلالت کا قصد بھی ہو۔

اول شرط سے رق بوقت علمیت خارج ہو جائے گا۔

سوال: اس میں علمیت کی قید کیوں لگائی ہے۔

جواب: اس لیے کہ یہ قبل از علمیت مرکب تھا۔

دوسری شرط: سے نقیط خارج ہو گیا کیونکہ اس کی جزء معنی کی جزء پر دال نہیں ہے۔

سوال: نقیط کی تعریف ہے ما یکون قابلا للاشارۃ الحسیۃ اور اسکی جزئیں ہوتی ہیں۔

جواب نقطہ سے مراد اس کا مصداق ہے نہ کہ مفہوم۔

تیسری شرط سے زید خارج ہو گیا کیونکہ اس کی جزئیں مسمی کی جزؤں پر دال نہیں ہیں۔

چوتھی شرط سے عبد اللہ بوقت عملیت خارج ہو گیا۔ کہ عبد عبودیت پر اور لفظ اللہ الوھیت پر دال ہیں۔ مگر یہ معنی مقصودی نہیں ہے۔

پانچویں شرط سے حیوان ناطق بوقت علیت خارج ہو گی۔

فائدہ مفرد اور مرکب ہونا نحویوں کے نزدیک بالذات لفظ کی صفات ہیں اور بالتبع معنی کی صفات ہیں اور حضرات مناطقہ کا معاملہ برعکس ہے۔ لان النحاة یبحثون عن الالفاظ و المنطقیون عن المعانی۔

:فالمفرد اما کلی وهوالذی لایمنع نفس تصور مفهومه عن وقوع الشرکة فیه کالانسان و اما جزئی وهوالذی یمنع نفس تصور مفهومه عن وقوع الشرکة فیه کزید

ترجمہ پس مفرد یا تو وہ کلی ہوگا۔ اور کلی وہ ہے کہ اس کے مفہوم کا محض تصور اس کے اندر شرکت کے واقع ہونے سے مانع نہ ہو، جیسے انسان۔ یا جزئی ہوگا۔ اور جزئی وہ ہے کہ اس کے مفہوم کا محض تصور اس کے اندر شرکت کے واقع ہونے سے مانع ہو جیسے زید۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ کلیات کے موقوف علیہ سے فارغ ہونیکے بعد کلیات خمسہ کا آغاز کرتے ہیں۔ اس عبارت سے مصنف کی غرض مفرد کی قسموں کو بیان کرنا ہے کہ مفرد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) کلی۔ (۲) جزئی۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی تعریف کرنا ہے۔

کلی کی تعریف: کلی وہ مفہوم ہے کہ اس کا محض تصور اس کے اندر شرکت کے واقع ہونے سے مانع نہ ہو، جیسے انسان۔

جزئی کی تعریف: جزئی وہ مفہوم ہے کہ اس کا محض تصور اس کے اندر شرکت کے واقع ہونے سے مانع ہو جیسے زید۔

آپ نے یہاں کہا ہے کہ یہ کلی اور جزئی مفرد کی قسمیں ہیں۔ حالانکہ تیسیر المنطق میں یہ اقسام مفہوم کی بیان کی گئی ہیں

سوال: آپ نے کہا کہ یہ کلی اور جزئی مفرد کی قسمیں ہیں۔ حالانکہ کلی اور جزئی حقیقۃً دونوں معنی کی قسمیں ہیں جیسا کہ تیسیر المنطق میں یہ اقسام مفہوم کی بیان کی گئی ہیں۔

جواب: حملا علی المجاز تسمیۃ الدال باسم المدلول۔ کلیت اور جزئیت حقیقۃً بالذات معنی کی صفتیں ہیں۔ اور بالعرض بالتبع لفظ کی صفت ہیں۔ جس طرح افراد اور ترکیب اصل میں لفظ کی صفتیں ہیں اور بالتبع مفہوم کی صفت ہیں۔

سوال: مجاز اختیار کرنیکی کیا ضرورت ہے۔

جواب: مبتدی کی سہولت کے لیے کیونکہ وہ لفظ مفرد کو معلوم کر چکا تھا بخلاف المعنی المفرد لانہ لا یعلمہ

سوال: اگر مفرد کا موصوف نکالا جائے تو کلام حقیقی بن سکتی ہے و المجاز یختار حین التعذر عن الحقیقۃ

جواب: اگر المفرد کا موصوف (المعنی) نکالا جائے اور مفہومہ کی ضمیر معنی کی طرف راجع کی جائے تو لازم آئے گا مفہوم کا ثبوت مفہوم کے لیے و ھو غیر جائز

جواب ثانی: المفرد میں الف لام عہد خارجی کا ہے اور اس کا معہود مذکور ہوتا ہے اور وہ لفظ مفرد ہے بخلاف معنی مفرد کے ۔ کہ وہ مذکور نہیں۔

اور جو لوگ اس کا موصوف المعنی نکالتے ہیں ان پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ ثبوت مفہوم للمفہوم لازم آتا ہے واجیب عنہم باختیار صنعۃ الاستخدام اور صنعۃ استخدام یہ ہے کہ ایک لفظ سے اعتبارات مختلفہ کے لحاظ سے مختلف معنی مراد لیے جاتے ہیں اوقات مختلفہ۔

اور یہاں ضمیر کے رجوع کے وقت لفظ مفرد اور معرّف بنانے کے وقت معنی مراد ہوگا۔

سوال: مصنف کا یہاں لا یمنع متعدی ذکر کرنا درست نہیں ہے بلکہ لا یمتنع لازمی ذکر

کرنا چاہیے تھا یعنی نہیں منع ہوتا مفہوم کا نفس تصور۔

جواب: لا یمنع مبالغہ کے لیے ذکر کیا گیا ہے گویا اس کا نفس تصور کل کو منع نہیں کرتا۔

سوال: نفس کا ذکر مستدرک ہے کیونکہ تصور مفھومه کافی ہے۔

جواب: اگر نفس کا ذکر نہ ہوتا تو لازم آتا کہ بعض کلیات کا جزئیات بن جانا جیسا کہ واجب الوجود اور شمس وغیرہ اور بعض کچھ بھی نہیں بنتی۔ بہت سی کلیات ایسی ہیں جن کا خارج میں کوئی فرد نہیں جیسے لاشئی۔ اور بہت سی کلیات ایسی ہیں جن کا خارج میں صرف ایک فرد ہے، جیسے واجب الوجود۔ اگر ہم کلی اور جزئی کی تعریف میں نفس تصور کی قید نہ لگاتے تو یہ کلیات جزئیات بن جاتیں تو کلی کی تعریف جامع نہ رہتی اور جزئی کی تعریف مانع نہ رہتی تو کلی کی تعریف کو جامع اور جزئی کی تعریف کو مانع بنانے کے لیے یہ قید لگائی۔

کلی کی اقسام باعتبار وجود خارجی کے: کلی دو حال سے خالی نہیں ممتنع الوجود گی یا ممکن الوجود ہوگی۔ ممتنع الوجود کی مثال جیسے شریک باری تعالی۔

پھر ممکن الوجود دو حال سے خالی نہیں، خارج میں کوئی فرد ہوگا یا خارج میں کوئی فرد نہیں ہوگا۔ اگر خارج میں کوئی فرد نہ ہو تو اس کی مثال جیسے یاقوت کا پہاڑ۔

اگر خارج میں کوئی فرد ہو، پھر دو حال سے خالی نہیں ایک ہوگا، یا کئی ہوں گے۔ ایک ہوگا تو دو حال سے خالی نہیں۔ دوسرے کا امکان ہوگا جیسے سورج۔ یا دوسرے کا امکان نہیں ہوگا جیسے واجب الوجود۔ کئی ہوں گے تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ متناہی ہوں گے یا غیر متناہی ہوں گے۔ اول کی مثال جیسے کواکب سیارہ۔ ثانی کی مثال جیسے انسان۔

فائدہ: بعض لوگ کلی کو جزئی پر مقدم کرتے ہیں اور بعض برعکس کرتے ہیں تو فریق اول چند دلائل پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: کلی کی تعریف عدمی ہے اور جزئی کی وجودی والعدم مقدم علی الوجود۔

دوسری دلیل: کلی مقصود بالبحث ہے کیونکہ قول شارح میں ذکر ہوتی ہے والمقصو دمقدم

ہوتا ہے غیر مقصود سے۔

فریق ثانی کے دلائل

پہلی دلیل: جزئی کی تصور وجودی ہے اور کلی کی عدمی ہے والوجود اشرف والاشرف مقدم علی غیرہ

دوسری دلیل: جزئی بسیط ہے اور کلی مرکب اور بسیط مقدم ہوتا ہے مرکب پر

(مزید اصطلاحات منطق میں)

فائدہ کلی کے مختلف اعتبار سے مختلف نام ہیں۔کلی کے مفہوم کو کلی منطقی کہتے ہیں اور اس کے مصداق کو کلی طبعی کہتے ہیں۔دونوں کے مجموعہ کو کلی عقلی کہتے ہیں۔

کلی کی وجہ تسمیہ

کلی میں یاء نسبت کی ہے یعنی کل والی یہ خود جزء ہوتی ہے اس اس کا کل اور ہوتا ہے جیسا کہ حیوان پہلے یہ کل تھا اب انسان کے لیے جزء ہے۔

جزئی کی وجہ تسمیہ

اس میں بھی یاء نسبت کی ہے یعنی جزء والی اور یہ خود کل ہوتی ہے اور جزء اس کی اور ہوتی ہے جیسا کہ انسان پہلے کل تھا اب جزء ہے۔

فائدہ کلی کی جزئیات کے تین نام ہیں (۱) جزئیات (۲) افراد (۳) اشخاص

کلیات خمسہ

والكلي اما ذاتي وهو الذي يدخل تحت حقيقة جزئياته كالحيوان بالنسبة الى الانسان والفرس واما عرضي وهو الذي بخلافه كالضاحك بالنسبة الى الانسان۔

ترجمہ اور کلی یا تو ذاتی ہوگی ذاتی وہ ہے کہ جو اپنی جزئیات کی حقیقت کے تحت داخل ہو، جیسے حیوان کی نسبت انسان اور فرس کی طرف کرتے ہوئے۔ اور یا کلی عرضی ہوگی۔ عرضی وہ ہے جو اس کے خلاف ہو، جیسے ضاحک کی نسبت انسان کی طرف کرتے ہوئے۔

تشریح: اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض کلی ذاتی اور کلی عرضی کی تعریف کرنا ہے۔

وجہ حصر: کلی کی صرف دو قسمیں ہیں جس کی وجہ حصر یہ ہے کہ کلی یا تو اپنے افراد اور جزئیات کی حقیقت میں داخل ہوگی یا نہیں۔ اگر ہو تو کلی ذاتی اور اگر نہیں تو کلی عرضی ہے۔

ان کی تعریف جاننے سے پہلے ایک فائدہ کا جاننا ضروری ہے۔

فائدہ جن اشیاء سے مل کر کوئی چیز بنے ان اشیاء کو اس چیز کی حقیقت اور ماہیت اور ذات کہتے ہیں اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی نکال دیں تو اس چیز کی حقیقت باقی نہیں رہتی جیسے حیوان ناطق یہ انسان کی حقیقت ہے۔ اگر حیوان یا ناطق کو نکال دیا جائے تو مکمل حقیقت باقی نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ جو حقیقت میں شامل نہیں عوارض کہتے ہیں جیسے ضاحک۔

کلی ذاتی: وہ کلی ہے جو اپنے افراد کی حقیقت میں داخل ہو یعنی جو اپنی جزئیات کی پوری حقیقت ہو یا حقیقت کا جزء ہو۔ اول کی مثال انسان۔ ثانی کی مثال حیوان۔

کلی عرضی: جو اپنے افراد کی نہ پوری حقیقت ہو اور نہ حقیقت کا جزء ہو۔ بلکہ حقیقت سے خارج ہو، جیسے ضاحک انسان کے لیے کلی عرضی ہے۔

سوال آپ نے کہا کہ کلی ذاتی وہ ہے کہ اپنی جزئیات اور افراد کی حقیقت میں داخل ہو اس تعریف سے نوع حکم کلی سے نکل گئی۔ کیونکہ وہ بعینہ حقیقت ہے۔

جواب: یدخل کا معنی جو آپ نے مراد لیا ہے اس اعتبار سے آپ کا سوال صحیح ہے لیکن ہم یدخل کا معنی یہاں تضاد مراد لیتے ہیں کہ لا یکون خارجا یعنی اس کی حقیقت سے خارج نہ ہو۔ اس لحاظ سے نوع کو کلی کہنا صحیح ہے کیونکہ وہ خارج نہیں۔

فائدہ: کلی ذاتی وعرضی ان کی تین تعریفیں ہیں۔

(۱) الذاتی هو الذی یدخل تحت حقیقة افراد جزئیاته و العرضی بخلافه۔

(۲) الذاتی هوالذی داخل تحت حقیقة افراد جزئیاته و العرضی ما هو خارج عنها۔

(۳) العرضی هو الذی خارج عنها و الذاتی بخلافه وهو جید حیث لایرد علیه ما اور د علی الاولین۔

الحاصل: ذاتی کے دو معنی ہیں۔(۱) داخل۔(۲) غیر خارج۔ یہاں ذاتی سے مراد غیر خارج ہے۔ اس لیے کہ داخل کا معنی ہوتا ہے جزء حقیقت، اگر ذاتی کا معنی داخل کریں تو کلی ذاتی کا مطلب یہ ہوگا کہ کلی ذاتی وہ کلی ہے جو اپنی جزئیات کی حقیقت کا جزء ہو۔ تو اس صورت میں نوع کلی ذاتی ہونے سے خارج ہو جائے گی۔ کیونکہ نوع اپنی جزئیات کی حقیقت کا جزء نہیں بلکہ پوری حقیقت ہوتی ہے۔ تو نوع کو کلی ذاتی میں داخل کرنے کے لیے ذاتی کا معنی غیر خارج کریں گے۔ کر کے ذاتی کو کلی عرضی پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: ذات ہمیشہ عوارضات پر مقدم ہوتی ہے اس لیے کلی ذاتی کو کلی عرضی پر مقدم کیا۔

فائدہ: بعض چیزوں کی حقیقتیں یہ ہیں۔ انسان۔ حیوان ناطق۔ گھوڑا۔ حیوان صاہل۔ گدھا۔ حیوان ناھق۔ بیل۔ حیوان ذوخوار۔ بکری۔ حیوان ذو رغاء۔ شیر۔ حیوان مفترس۔ جب کہ حیوان کی حقیقت هو جسم حساس متحرك بالارادة ہے۔

کلی ذاتی اور کلی عرضی کی وجہ تسمیہ

ذاتی میں یاءنسبت کی ہے یعنی ذات والی ۔ذاتی کو ذاتی اس وجہ سے کہتے ہیں کلی اپنے افراد وجزئیات کی ذات یا حقیقت میں داخل ہوتی ہے۔اور عرضی میں بھی یاءنسبت ہے یعنی عارض ہونے والی عرضی کو عرضی اس وجہ سے کہ کلی اپنے افراد جزئیات کو عارض وچمٹی ہوئی ہوتی ہے۔اس میں داخل نہیں ہوتی ہے

والذاتی اما مقول فی جواب ماھو بحسب الشرکۃ المحضۃ کالحیوان بالنسبۃ الی الانسان والفرس وھوالجنس ویرسم بانہ کلی مقول علی کثیرین مختلفین بالحقائق فی جواب ماھو واما مقول فی جواب ما ھوبحسب الشرکۃ والخصوصیۃ معاً کالانسان بالنسبۃ الی زید وعرم وغیرھما وھوالنوع ویرسم بانہ کلی مقول علی کثیرین مخلتفین بالعدد دون الحقیقۃ فی جواب ماھو واما غیر مقول فی جواب ماھو بل مقول فی جواب ای شی ھو فی ذاتہ وھوالذی یمیز الشئ عما یشارکہ فی الجنس کالناطق بالنسبۃ الی الانسان وھوالفصل ویرسم بانہ کلی یقال علی الشئ فی جواب ای شئ ھو فی ذاتہ۔

ترجمہ اور ذاتی یا تو وہ بولی جائے گی ماھو کے جواب میں شرکت محضہ کے اعتبار سے جیسے حیوان انسان اور فرس کی بہ نسبت اور وہ جنس ہے۔اور اسکی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ جنس وہ کلی ہے جو بولی جائے ماھو کے جواب میں ایسی کثیر جزئیات پر جن کی حقیقتیں مختلف ہوں یا وہ (کلی ذاتی) بولی جائے گی ماھو کے جواب میں شرکت اور خصوصیت دونوں اعتبار سے جیسے انسان زید عمر وغیرہ کی بہ نسبت اور یہ نوع ہے۔اور اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ نوع وہ کلی ہے جو ماھو کے جواب میں ایسی کثیر افراد پر بولی جائے گی ماھو کے جواب میں بلکہ ای شئی ھو فی ذاتہ کے جواب میں بولی جائے گی (یعنی وہ شئی اپنی ذات میں کیا ہے) اور وہ ایسی کلی ہے جو اس شئی کو اس کی جنس میں شریک دوسرے مشارکات سے جدا کردے جیسے ناطق انسان کے لیے اور وہ فصل ہے اور اس کی یوں تعریف کی جاتی ہے کہ فصل وہ کلی ہے جو کسی شئی پر ای شئ ھو فی

ذاته کے جواب میں محمول ہو۔

تشـــــــــــــــریـــــــح : مصنف رحمۃ اللہ علیہ کلی ذاتی کی تقسیم کر رہے ہیں کلی ذاتی کی تین قسمیں ہیں (۱) جنس (۲) نوع (۳) فصل۔

وجـه حـصـر : کلی اپنی جزئیات کی پوری حقیقت ہوگی یا نہیں۔ اگر ہوگی تو اسے نوع کہتے ہیں اگر پوری حقیقت نہیں ہوگی تو دو حال سے خالی نہیں یا جزءِ مشترک ہوگی یا جزءِ ممیز ہوگی۔ اگر جزء مشترک ہوگی تو جنس ورنہ فصل ہوگی۔

وجہ حصر یہ ہے کہ کلی ذاتی دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ ماھو کے جواب میں بولی جائے گی یا ای شئی ھو فی ذاتہ کے جواب میں بولی جائے گی۔ اگر ماھو کے جواب میں بولی جائے تو پھر وہ حال سے خالی نہیں۔ یا تو شرکۃ محضہ کے اعتبار سے بولی جائے گی یا شرکت اور خصوصیت دونوں اعتبار سے بولی جائے گی۔ اول جنس ہے اور ثانی نوع ہے۔ اور اگر ای شئی ھو فی ذاتہ کے جواب میں بولی جائے تو وہ فصل ہے۔

فائدہ منطقی حضرات کے نزدیک سوال کرنے کے کچھ آداب اور آلہ ہیں۔ تصورات کے بارے سوال کرنے کیلئے دو آلے ہیں (۱) ما (۲) ای ہے۔

اہل منطق نے کسی بھی قسم کے سوال کو کل چار کلمات میں منحصر کیا ہے۔ مـا ، ای ، ھل ، لم (سلم العلوم ص ۳۰)۔

﴿مـا﴾ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا جواب دیا جائے جس سے مسئول عنہ کا تصور حاصل ہو جائے اس لیے اس کے جواب میں نوع ، جنس یا ایسی عرضیات بتائی جاتی ہیں جس سے مسئول عنہ کا تصور حاصل ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

و اما من خفت موازینه فامه هاویة و ما ادراک ما هیه نار حامیة

ترجمہ "اور جس کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔"

سوال ما ھی ہے، اس کے جواب میں نار حامیۃ فرمایا جس سے اس کی حقیقت واضح ہوگئی۔
فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا ما رب العلمین مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کا ادراک ناممکن ہے اس کی صفات ہی سے اس کی معرفت ہوتی ہے اس لیے موسیٰ نے جواب دیا رب السموات والارض وما بینھما۔
اور ارشاد باری ہے وما تلك بیمینك یا موسیٰ قال ھی عصای اس کے اندر جواب میں عصا اس مشار الیہ کی نوع ہے۔

﴿ای﴾ تعیین کے لیے ہے اور یہ تعیین باعتبار مضاف الیہ کے ہوگی۔ اگر مضاف الیہ متعدد ہو اس کی تعیین کرنا مطلوب ہوتا ہے جس میں مذکور صفت ہو جیسے سلیمانؑ نے فرمایا
یا ایھا الملا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین۔
"اے دربار والو! تم میں سے کون ایسا ہے جو میرے پاس اس کا تخت حاضر کردے اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس فرماں بردار ہو کر حاضر ہوں"۔
اور اگر مضاف الیہ صفت ہو جیسے ای شئی ھو فی ذاتہ تو اس کا منشا یہ ہوگا کہ فصل ذکر کی جائے جو اس کو جنس کے مشارکات سے جدا کردے۔

﴿ھل﴾ سے نسبت خبریہ کے وقوع یا عدم وقوع کی بابت سوال ہوتا ہے جیسے ھل زید قائم، ھل محمود موجود؟

﴿لم﴾ (کیوں) یہ لام جار اور ما استفہامیہ سے مرکب ہے یہ نسبت خبریہ کا سبب دریافت کرنے کے لیے ہے جیسے لم غبت (تو غائب کیوں رہا) جواب میں ہو لانی کنت مریضا کیونکہ میں بیمار تھا۔

سوال: استفہام کے کلمات تو اور بھی ہیں آپ نے صرف چار بتائے؟

جواب: باقی کلمات بھی انہیں میں سے کسی کا معنی دیتے ہیں ادات استفہام تین قسم پر ہیں۔
حروف استفہام اور وہ دو ہیں ھمزہ اور ھل۔ اسماء استفہام جیسے من، ما، این، متی، انی،

کیف، ای وغیرہ۔

افعال استفہام جیسے حدیث جبریل میں ہے اخبرنی عن الاسلام ''مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجیے''۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے انبؤنی باسماء هؤلاء ''مجھ کو ان چیزوں کے نام بتلاؤ''

نیز فرمایا یادم انبئهم باسمائهم ''اے آدم، ان کو ان چیزوں کے نام بتلادو''

نیز فرمایا و یستنبؤنك احق هو ''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ عذاب واقعی امر ہے؟''

نکتہ: مندرجہ بالا مثال میں ایک فعل استفہام ہے دوسرا حرف استفہام چونکہ مقصد ایک ہے اس لیے ایک ہی جواب دیا گیا وہ ہے قل ای و ربی انه لحق ''آپ کہہ دیجیے قسم میرے رب کی وہ واقعی امر ہے'' فعل استفہام سے کبھی ج لہ انشائیہ بنتا ہے جیسے اخبرنی اور کبھی جملہ خبریہ جیسے یستفتونك۔

باقی رہی بات کہ بقیہ ادوات استفہام ان چاروں میں کیسے داخل ہوئیں؟

استاد: ہمزہ تو ھل کا ہم معنی ہے۔ من، این، متی، انی، کیف، ای کی طرح طلب تعین کے لیے مثلاً این تعین مکان، متی تعین وقت، کیف تعین حال اور انی تعین حال یا تعین مکان طلب کرنے کے لیے عموماً، اور من تعین شخص طلب کرنے کے لیے ہے اور تعین کی طلب کے لیے ای استعمال ہوتا ہے۔ لہذا یہ سارے ای میں داخل ہو گئے۔ ہاں اگر کیف سبب دریافت کرنے کے لیے ہے تو لم کا تابع ہوگا۔

رہے افعال استفہام تو وہ ما یا ای میں داخل ہوں گے۔ ما کی مثال اخبرنی عن الاسلام، ای کے معنی کی مثال یسالونك عن الخمر والمیسر ان میں حقیقت کی دریافت نہیں بلکہ حلت یا حرمت کی تعیین مقصود ہے۔

تعریفات کی طلب کے لیے ''ما'' ہے قضایا کے لیے ''ھل'' ذاتیات وعرضیات کے لیے کبھی ما اور کبھی ای حجت اور دلیل کے لیے کوئی لفظ مفرد نہیں تھا اس کے لیے لم کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس

کے علاوہ دوسرے ادوات مرکبہ مــن ایــن عــم وغیرہ سے تعین کا سوال ہوتا ہے لہذا وہ اسی میں داخل مانے جاتے ہیں۔

﴿ اصطلاح ما ھو کابیان ﴾

جس کا حاصل یہ ہے کہ جب بھی کوئی سائل مــا ھو کے ذریعے کسی شئی کی ماھیت کے بارے میں سوال کرے تو جواب میں مجیب کو کیا پیش کرنا چاہیے اس کا دارومدار سائل کے سوال پر ہے کہ سائل کا سوال دو حال سے خالی نہیں کہ مــا ھــو کے ذریعے امر واحد کے بارے میں سوال کرے گا یا امور متعددہ کے بارے سوال کرے گا اگر امر واحد کے بارے میں سوال کرے تو پھر یہ امر واحد دو حال سے خالی نہیں جزئی کے بارے میں سوال کرے گا یا کلی کے بارے میں اور اگر اشیائے کثیرہ امور کثیرہ کے بارے میں سوال کرے تو پھر یہ دو حال سے خالی نہیں یہ اشیاء متفقۃ الحقیقت ہوں گی یا مختلفۃ الحقیقت تو بہر حال چار صورتیں ہوگئیں۔

پھلی صورت: کہ سائل ما ھو کے ذریعے امر واحد جزئی کے بارے میں سوال کرے تو جواب میں نوع واقع ہوگی جیسے زید ما ھو کے جواب میں انسان پیش کیا جائیگا۔

دوسری صورت: سائل ما ھو کے ذریعے امر واحد کلی کے بارے میں سوال کرے تو جواب میں حد تام واقع ہوگی جیسے الانسان ماھو کے جواب میں حیوان ناطق آئے گا۔

تیسری صورت: سائل ما ھو کے ذریعے اشیائے کثیرہ متفقۃ الحقائق کے بارے میں سوال کرے تو اس کے جواب میں بھی نوع واقع ہوگی جیسے زید و عمرو و بکر ما ھم تو جواب میں انسان آئے گا۔

چوتھی صورت: کہ سائل ما ھو کے ذریعے اشیائے کثیرہ مختلفۃ الحقائق کے بارے میں سوال کرے تو جواب میں جنس واقع ہوگی جیسے الانسان و الفرس و البقر ما ھم تو جواب میں حیوان آئے گا تو ان صورۃ اربعہ مذکورہ میں سے ایک صورت میں جنس واقع ہوئی اور دو صورتوں میں نوع اور ایک صورۃ میں حد تام واقع ہوئی ہے۔

جنس کی تعریف: ھو کلی مقول علی کثیرین مختلفین بالحقائق فی جواب ماھو جنس وہ کلی ذاتی ہے جو ماھو کے جواب میں ایسے کثیر افراد پر بولی جائے جن کی حقیقتیں مختلف ہوں۔ جیسے حیوان جنس ہے انسان اور فرس وغیرہ کے لیے۔

فوائد قیود: کلی۔ مستدرک ہے مقول۔ جنس ہے اس میں تعمیم ہے جو تمام کلیات اور جزئیات کو شامل ہے۔ اور الکثیرین فصل اول ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے جزئیات نکل گئے۔ اور مختلفین بالحقائق دوسری قید ہے جس سے نوع نکل گئی۔

اور فی جواب ماھو تیسری قید ہے جس سے (۱) فصل (۲) خاصہ (۳) عرض عام سب نکل گئے۔ اس لیے فصل اور خاصہ وہ ای شئ ھو فی ذاتہ کے جواب میں آتا ہے اور عرض عام کسی کے جواب میں نہیں آتا۔

فائدہ لفظ کلی کو بعض لوگ مستدرک کہتے ہیں اور بعض غیر مستدرک کہتے ہیں۔

پہلا فریق کہتا ہے کہ کلی اور مقول علی کثیرین متحد فی المعنی ہیں اور بصورت عدم استدراک تکرار لازم آتا ہے جو امر قبیح ہے۔

اور جو لوگ مستدرک نہیں بناتے وہ کہتے ہیں کہ کلی مقسم ہے اور جنس، فصل، نوع یہ قسم ہیں اور مقسم اپنی قسموں میں معتبر ہوتا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ تفصیل بعد از اجمال کثیر الورود ہے جیسا کہ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر دوسری مثال ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا و اذا مسہ الخیر منوعاً کیونکہ ھلوع اجمال ہے اور آگے تفصیل ہے

سوال آپ نے تعریف ہذا میں دو الفاظ استعمال کیے ہیں ایک کلی اور دوسرا کثیرین۔ حالانکہ کلی تو نام ہی کثیرین پر صادق آنے کا ہے اور کثیرین کے مجموعہ کا نام کلی ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے۔

جواب کلی مقسم ہے اور مقسم کا ذکر تعریف کے اندر کیا جاتا ہے۔

نیز: کثیرین کا استعمال کر کے ان کلیات کو خارج کرنا مقصود ہے جن کا دنیا میں صرف ایک فرد

ہے یا انکی جزئیات بالکل سرے سے وجود ہی نہیں۔ جیسے سونے کا پہاڑ وغیرہ۔

سوال: کثیرین جمع کا صیغہ ہے اور جمع کم از کم تین سے شروع ہوتی ہے تو گویا مصنف کہنا چاہتا ہے کہ اگر تین یا تین سے زیادہ کے بارے میں سوال کریں تو جواب میں ہوگا ورنہ نہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ الانسان والحیوان ماھما کا جواب بھی کلی ہے۔ یعنی دو افراد کے بارے میں بھی سوال کیا جاتا ہے۔

جواب: منطقی حضرات کے نزدیک جمع مافوق الواحد سے شروع ہوتی ہے۔

جنس کی اقسام باعتبار تقسیم اول

(۱) **جنس قریب**: جو اپنے جمیع ماتحت افراد کے اعتبار سے تمام مشترک ہو مثلاً حیوان اپنے جو اپنے ماتحت تمام افراد کے اعتبار سے تمام مشترک ہے۔ اس کے ماتحت افراد انسان، بقر، غنم وغیرہ ہیں۔ یعنی وہ جنس جس کے افراد میں سے بعض افراد کو ماھو کے ساتھ ملا کر سوال کیا جائے یا تمام کو ملا کر کیا جائے تو دونوں صورتوں میں وہی جنس واقع ہو۔

(۲) **جنس بعید**: وہ ہے جو اپنے ماتحت افراد میں سے بعض اعتبار سے تمام مشترک ہو۔ یعنی بعض وہ افراد جن کے اعتبار سے تمام مشترک ہے ان کو ملا کر سوال کیا جائے تو جواب میں وہی جنس آئے اور اگر ان افراد کو ملا کر سوال کیا جائے جن کے اعتبار سے تمام مشترک نہ ہو تو جواب میں وہی جنس واقع نہ ہو بلکہ کوئی اور جنس واقع ہو۔

ان دونوں کی مثالیں

(۱). **جسم نامی**: یہ نباتات کے اعتبار سے تمام مشترک ہے لہذا اگر نباتات کو ملا کر سوال کیا جائے تو جواب میں جسم نامی ہوگا مثلاً الانسان والفرس والشجر ماھی تو جواب میں الجسم النامی ہوگا اور اگر نباتات کو نہ ملایا جائے تو جسم نامی نہ ہوگا مثلاً الانسان والفرس ماھما تو جواب میں الحیوان آئیگا۔ لیکن جسم نامی جواب میں نہ آیا۔

(۲) **جسم مطلق**: یہ جمادات کے اعتبار سے تمام مشترک ہے لہذا اگر جمادات کو ملا کر سوال

کریں تو جواب جسم مطلق ہوگا مثلاً الانسان والشجر والحجر ماھی تو جواب میں الجسم المطلق آئیگا اور اگر جمادات کو نہ ملائیں تو جسم مطلق نہ ہوگا مثلاً الانسان والشجر ماھما تو جواب میں الجسم النامی آئیگا اوالانسان والفرس ماھما تو جواب میں الحیوان آئیگا۔

(۳) **جوهر** : یہ عقول کے اعتبار سے تمام مشترک ہے لہذا عقول کو ملا کر ماھو کے ساتھ سوال کریں تو جواب جوہر آئے گا مثلاً الانسان والشجر والعقل ماھی تو جواب میں الجوھر اور اگر عقول نہ ملائیں تو جواب جوہر نہ آئے گا۔ مثلاً الانسان والفرس اوالشجر اوالحجر ماھما تو جواب میں الحیوان یا الجسم النامی یا الجسم المطلق۔

خلاصہ : یہ تینوں یعنی جسم نامی، جسم مطلق اور جوہر انسان کے لیے جنس بعید ہیں اور جسم نامی نباتات کے لیے جنس قریب ہے۔ اور جسم مطلق جمادات کے لیے جنس قریب ہے۔ اور جوہر عقول کے لیے جنس قریب ہے۔

آسان لفظوں میں یوں کہیں جو اپنے مشارکات میں سے ہر مشارک کے جواب میں واقع ہو وہ جنس قریب ہے جیسے حیوان۔

جو اپنے مشارکات میں سے ہر مشارک کے جواب میں واقع نہ ہو بلکہ بعض کے جواب میں واقع ہو اور بعض میں نہ ہو۔ تو وہ جنس بعید ہے جیسے نامی۔

جنس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جنس قریب (۲) جنس بعید۔ اجناس کی کئی قسمیں ہیں حیوان نچلے درجے کی جنس ہے اس کو اسفل کہتے ہیں۔ جسم نامی و جسم مطلق متوسط درجے کی جنس ہے ان کو جنس متوسطہ کہا جاتا ہے اور جو سب سے اعلیٰ ہوتی ہے وہ جوہر ہے جس کو جنس عالی یا جنس الاجناس بھی کہتے ہیں۔

نوع کی تعریف : ھو کلی مقول علی کثیرین متفقین بالحقائق فی جواب ماھو۔ نوع وہ کلی ذاتی ہے جو ماھو کے جواب میں ایسے کثیر افراد پر بولی جائے جن کی حقیقتیں ایک ہوں جیسے انسان۔

فوائد و قیود کلی مستدرک ہے مقول۔جنس ہے اس میں تعمیم ہے جو تمام کلیات اور جزئیات کو شامل ہے۔اور الکثیرین فصل اول ہے۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے جزئیات نکل گئے۔اور متفقین بالحقائق دوسری قید ہے جس سے جنس خارج ہوگئی۔

اور فی جواب ماھو تیسری قید ہے جس سے باقی کلیات یعنی (۱) فصل (۲) خاصہ (۳) عرض عام سب خارج ہوگئیں۔

شرکۃ محضہ اور شرکۃ وخصوصیۃ معاً کا مطلب: جنس وہ کلی ذاتی ہے جو ماھو کے جواب میں شرکت محضہ کے اعتبار سے بولی جائے یعنی اگر جنس کے بہت سارے افراد کو ملا کر ماھو کے ذریعے سوال کریں تو جواب میں جنس واقع ہوتی ہے۔اور اگر جنس کے کسی ایک فرد کے بارے میں ماھو کے ذریعے سوال کیا جائے تو جواب میں جنس واقع نہیں ہوتی۔جیسے حیوان کے بہت سارے افراد مثلاً انسان فرس وغنم کو ملا سوال کریں کہ انسان والفرس والغنم ماھم تو جواب میں جنس (حیوان) واقع ہوتی ہے۔اگر حیوان کے کسی ایک فرد مثلاً فرس کے بارے میں سوال کریں کہ الفرس ماھو تو جواب میں جنس حیوان واقع نہیں ہوتی۔

جبکہ : نوع وہ کلی ذاتی ہے جو ماھو کے جواب میں شرکت اور خصوصیت دونوں اعتبار سے بولی جائے۔یعنی اگر نوع کے بہت سارے افراد کو ملا کر ماھو کے ذریعے سوال کیا جائے۔

تب بھی جواب میں نوع واقع ہوتی ہے۔اور اگر نوع کے کسی ایک فرد کے بارے میں ماو کے ذریعے سوال کیا جائے۔تب بھی جواب میں نوع واقع ہوتی ہے جیسے انسان کے بہت سارے افراد مثلاً زید،عمر،بکر کے بارے میں ماھو سے سوال کریں کہ زید،عمر،بکر ماھم تو جواب میں انسان واقع ہوتا ہے اور اگر انسان کے کسی ایک فرد مثلاً زید کے بارے میں سوال کریں۔کہ زید ماھو تب بھی جواب میں انسان واقع ہوتا ہے۔

سوال: تم کہتے ہو کہ نوع اپنے افراد کی ماھیۃ کا عین ہوتا ہے حالانکہ انسان کا معنی حیوان ناطق اور اس کے افراد زید،عمرو،بکر کا معنی حیوان ناطق مع ہذا التشخص فاین العینیۃ۔

جواب: کہ ماہیۃ علی قسمین کلی وشخص والمراد ھھنا الماہیۃ الکلیۃ لا الشخصیۃ فلا اعتراض

فصل کی تعریف: ھو کلی یقال علی الشئی فی جواب ای شئی ھو فی ذاتہ۔
فصل وہ کلی ذاتی ہے کہ جو کسی شئی پر ای شئی ھو فی ذاتہ کے جواب میں بولی جائے جیسے ناطق انسان کے لیے فصل ہے۔

فوائد قیود: کلی مستدرک ہے۔ مقول جنس ہے جو تمام کلیات کو شامل ہے۔ **ای شئی ھو فی ذاتہ** یہ قید اور فصل ہے جس سے باقی چاروں کلیات نکل گئیں اس لئے کہ جنس اور نوع ماھو کے جواب میں بولی جاتی ہے جب کہ خاصہ **ای شئی ھو فی عرضہ** کے جواب میں بولی جاتی ہے اور عرض عام کسی کے جواب میں نہیں بولی جاتی۔

ای شئی ھو فی ذاتہ کا مطلب: ای شئی اصل میں وضع کیا گیا ہے طلب ممیز کے لیے لیکن جب ای شئی کے ساتھ فی ذاتہ کی قید لگا دی جائے تو پھر مطلوب ممیز ذاتی ہوتا ہے یعنی فصل ہوتا ہے اور اگر ای شئی کے ساتھ (فی عرضہ) کی قید لگا دی جائے تو پھر مطلوب ممیز عرضی ہوتا ہے یعنی خاصہ۔ تو الانسان ای شئی ھو فی ذاتہ کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کا کوئی ایسا ممیز ذاتی بتاؤ جو اس کو شئی (جنس) میں شریک دوسرے مشارکات سے جدا کر دے۔ جو کہ ناطق ہے۔

قاعدہ ای کا کلمہ یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اور یہ ہمیشہ درمیان میں واقع ہوتا ہے اس سے پہلے جو لفظ ہوگا وہ مبتدا ہوتا ہے اور اس کے بعد ہمیشہ مضاف الیہ ہوتا ہے اور یہ اپنے مضاف الیہ سے ملکر مبتداء ثانی بنتا ہے اور ھو ضمیر فصل ہے اور فی ذاتہ جو اس کے آخر میں ذکر کیا جاتا ہے وہ اس مبتداء ثانی کے لیے خبر بنتا ہے اور یہ مبتدا خبر ملکر پہلے مبتدا کے لیے خبر بنتے ہیں خلاصہ یہ نکلا کہ ای سے پہلے ایک چیز ہوگی اور ایک چیز بعد میں اور جب سائل ای سے سوال کرے گا تو اس وقت اس کی غرض یہ ہوگی کہ ای کا جو ماقبل ہے اس کو ای کے مدخول کے مشارکات سے جدا کرنا مقصود ہوگا مثلا جس وقت آپ نے دور سے ایک چیز کو دیکھا اور آپ نے یہ یقین کرلیا کہ یہ کوئی حیوان ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ کون سا حیوان ہے تو اس وقت آپ یہ سوال کرینگے ھذا ای حیوان اس

وقت سائل کی غرض یہ ہے کہ ای کے ماقبل یعنی متعین حیوان اس کے مدخول حیوان کے مشارکات سے جدا کیا جائے تو اب اس جواب میں یہ کہا جائیگا ھو حیوان او فرس اوحمار یہ تینوں حیوان کے مشارکات میں سے ہیں فرس کہ کر اس نے متعین کر دیا کہ ھذا سے مراد فرس ہے۔

سوال: مصنف کو کیا باعث پیش آیا کہ سابقہ عادات کے خلاف مقول کے بجائے یقال کہا؟

صحیح **جواب:** یہ ہے کہ تفنن فی العبارۃ مقصود ہے۔

سوال: علی کثیرین کی بجائے علی الشیء کہنے کی کیا وجہ ہے۔

جواب: چونکہ فصل ممیز ہوتا ہے اور ممیز کے لیے انفراد مناسب ہے

جسم مطلق ، سطح ، خط ، نقطہ کی تعریف: من لہ طول و عرض و عمق جس کے لیے طول وعرض عمق ہو اس کو جسم مطلق کہتے ہیں اور ایسی چیز جس کے لیے طول وعرض ہو مگر گہرائی نہ ہو اس کو سطح کہتے ہیں اور ایسی چیز جس کے لیے طول ہو عرض چوڑائی اور گہرائی نہ ہو اس کس خط کہتے ہیں اور جس کے لیے نہ طول ہو نہ عرض ہو نہ عمق ہو اس کو نقطہ کہتے ہیں سب کی مثال اوراق کتاب ہے ورق کا کونہ نقطہ ہے اس کی لمبائی خط ہے اور چوڑائی سطح ہے اور پوری کتاب جسم مطلق ہے۔ کیونکہ اس کے لیے طول وعرض اور عمق تینوں ہیں۔

جوھر: وہ ہے جو بذاتہ قائم ہو یعنی خود بخود قائم ہو۔

نتیجہ: نچلے درجے کی جنس کا نام جنس قریب ہے اور جنس متوسطہ وجنس عالی ان کا نام جنس بعید ہے۔

فصل کی قسمیں: فصل کی دو قسمیں ہیں۔(۱) قریب (۲) بعید۔

فصل قریب: وہ ہے جو اپنی ماہیت کو مشارکات فی الجنس القریب سے جدا کرے۔ جیسے ناطق نے ماہیت انسانی جنس قریب یعنی حیوانیت کی مشارکات سے جدا کیا۔

فصل بعید: وہ ہے جو اپنی ماہیت کو مشارکات فی الجنس البعید سے جدا کرے۔ جیسے حساس نے ماہیت انسانی جنس بعید یعنی جسم نامی کی مشارکات سے جدا کیا۔

فائدہ جب کسی علم میں کسی چیز کی تقسیم در تقسیم کرتے ہیں تو ہر قسم دوسری قسم سے جس وجہ سے امتیاز رکھتی ہے وہ فصل ہے جیسے لفظ موضوع کی دو قسمیں ہیں مفرد مرکب موضوع جنس اور مفرد مرکب دونوں انواع ہیں۔ مفرد کا فصل یہ ہے کہ اس کا جزء معنی کے جزء پر دلالت نہیں کرتا۔مرکب کا فصل یہ ہے کہ اس کا جزء معنی کے جزء پر دلالت کرتا ہے۔ پھر مفرد و مرکب ہر ایک کی اقسام ہیں ان اقسام کو جب نوع سمجھیں گے تو مفرد مرکب جنس بن جائیں گے مفرد کی انواع اسم فعل حرف ہیں۔اور ہر ایک کے لیے فصل ہے مثلا اسم کا فصل معنی مستقل مطابقی بدون احد الازمنہ الثلاثہ ہے۔

پھر اسم کی انواع مذکر مونث ہیں۔ ہر ایک کے لیے فصل ہوتا ہے۔ حفصہ لفظ موضوع مفرد ہے۔ پھر مفرد سے اسم مونث ہے مونث کا فصل تو یہ کہ اس کے آخر میں علامت تانیث ہے۔ یہ فصل قریب ہے اور اگر یہ فصل بتائی کہ معنی مستقل بدون احد الازمنہ الثلاثہ ہے تو یہ فصل بعید ہے کیونکہ اس سے فعل تو نکل گیا مگر مذکر نہ نکلا اور اگر اس کے لیے یہ فصل بتائیں کہ اس کا جزء معنی کے جزء پر دلالت نہیں کرتا تو یہ فصل البعد ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

واما العرضی فهو اما ان يمتنع انفكاكه عن الماهية وهو العرض اللازم اولا يمتنع وهو العرض المفارق وكل واحد منهما اما يختص بحقيقة واحدة وهو الخاصة كالضاحك بالقوة اوبالفعل للانسان ويرسم بانها كلية يقال على ماتحت حقيقة واحدة فقط قولاً عرضياً واما ان يعم حقائق فوق واحدة وهو العرض العام كالمتنفس بالقوة اوبالفعل للانسان وغيره من الحيوانات ويرسم بانه كلى يقال على ماتحت حقائق مختلفته قولاً عرضياً۔

ترجمہ اور لیکن کلی عرضی یا تو اس کا ماہیت سے جدا ہونا ممتنع ہوگا اور وہ عرض لازم ہے اور یا ممتنع نہیں ہوگا اور وہ عرض مفارق ہے اور ان میں سے ہر ایک یا تو ایک حقیقت کے افراد کے ساتھ خاص ہوگا اور وہ خاصہ ہے جیسے ضاحک بالقوۃ یا ضاحک بالفعل انسان کے لیے اور اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ خاصہ وہ کلی (عرضی) ہے جو صرف ایک حقیقت کے افراد پر بولی جائے عرضی

طور پر بولا جانا۔ یا ایک سے زائد کئی حقیقتوں کو شامل ہوگی اور وہ عرض عام ہے جیسے متنفس بالقوہ یا متنفس بالفعل انسان اور دیگر حیوانات کے لیے اور اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ عرض عام وہ کلی ہے جو کئی حقیقتوں کے افراد پر بولی جائے عرض طور پر بولا جانا۔

تشریح: یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ کی غرض کلی عرضی کی اقسام کو بیان کرنا ہے

کلی عرضی کی دو قسمیں ہیں (۱) خاصہ (۲) عرض عام

وجہ حصر: کلی عرضی کی دو ہی صورتیں ہیں یا مختص بالحقیقۃ الواحدۃ ہوگی یا نہیں اگر ایک حقیقت کے ساتھ خاص ہو تو خاصۃ ہے اور اگر ایک حقیقت کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ مختلف حقیقت کے افراد پر بولی جائے تو عرض عام ہے۔

خاصہ کی تعریف: ھی کلیۃ تقال علی ماتحت حقیقۃ واحدۃ فقط قولا عرضیا۔ یعنی خاصہ وہ کلی عرضی ہے جو ایک حقیقت کے افراد کے ساتھ خاص ہو۔ جیسے ضاحک بالقوۃ اور ضاحک بالفعل انسان کے لیے خاصہ ہے۔

فوائد قیود: کلیۃ مستدرک ہے۔ تقال جنس ہے۔ حقیقت واحدۃ پہلی فصل ہے جس سے جنس اور عرض عام نکل گئے کیونکہ یہ دونوں کئی حقیقتوں کے افراد پر بولی جاتی ہیں۔

اور قولاً عرضیا دوسری قید ہے جس سے نوع اور فصل نکل گئے کیونکہ وہ کلی عرضی نہیں بلکہ ذاتی ہیں۔

ضاحک بالقوہ۔ ضاحک بالفعل: سے ان دو مثالوں سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ خاصہ کی تقسیم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خاصہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خاصہ شاملہ۔ (۲) خاصہ غیر شاملہ۔

خاصہ شاملہ: خاصہ شاملہ وہ خاصہ ہے جو اس شئی کے تمام افراد کو شامل ہو۔ جیسے ضاحک بالقوۃ انسان کے لیے۔

خاصہ غیر شاملہ: خاصہ غیر شاملہ وہ ہے جو اس شئی کے تمام افراد کو شامل نہ ہو جیسے ضاحک

بالفعل انسان کے لیے۔

عرض عام کی تعریف: ھو کلی مقول علی ماتحت حقائق مختلفة قولا عرضیاً یعنی عرض عام وہ کلی عرضی ہے جو کئی حقیقتوں کے افراد پر بولی جائے۔ جیسے تنفس بالقوہ یا تنفس بالفعل انسان اور دیگر حیوانات کے لیے کیونکہ ان کے افراد کی حقیقتیں مختلف ہوتی ہیں۔

فوائد قیود: کلی متدرک ہے۔ یقال جنس ہے۔ حقائق مختلفة پہلی فصل ہے جس سے نوع اور فصل اور خاصہ سب نکل گئے کیونکہ ان کے افراد کی حقیقت ایک ہوتی ہے۔ قولاً عرضیا دوسری قید ہے جس سے جنس نکل گئی کیونکہ وہ عرضی نہیں بلکہ ذاتی ہے۔

متنفس بالقوۃ اور متنفس بالفعل: سے ان دو مثالوں سے بھی مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی عرض عام تقسیم کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ عرض عام کی بھی دو قسمیں ہیں۔(۱) عرض عام شاملہ۔(۲) عرض عام غیر شاملہ۔

عرض عام شاملہ: عرض عام شاملہ وہ عرض عام ہے جو اس شئی کے تمام افراد کو شامل ہو جیسے تنفس بالقوۃ انسان اور حیوانات کے لیے۔

عرض عام غیر شاملہ: عرض عام غیر شاملہ وہ عرض عام ہے جو اس شئی کے تمام افراد کو شامل نہ ہو جیسے تنفس بالفعل انسان اور حیوانات کے لیے۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ لازم اور مفارق۔ پہلے ان کی تعریفیں سمجھیں۔

عرض کی تعریف: ھوالکلی الخارج المقول علی الشئی یعنی عرض وہ کلی ہے جو شئی سے خارج ہو کر شئی پر محمول ہو۔

عرض لازم: وہ عرض ہے جس کا ماہیت سے جدا ہونا ممتنع ہو۔ جیسے زوجیت اربعہ کو لازم ہے۔

عرض مفارق: وہ عرض ہے جس کا ماہیت سے جدا ہونا ممتنع نہ ہو۔ جیسے چہرے پر غصے کی سرخی۔ اب لازم اور مفارق کی تقسیم سمجھیں۔ پھر عرض لازم اور عرض مفارق میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ خاصہ اور عرض عام یعنی کل چار قسمیں ہوئیں (۱) خاصہ لازم (۲) خاصہ

مفارق۔(۳)عرض عام لازم(۴) عرض عام مفارق۔

خاصہ کی تقسیم: خاصہ کی دوقسمیں ہیں(۱)خاصہ لازم(۲)خاصہ مفارق۔

وجہ حصر : خاصہ یاتواپنے افراد جزئیات کی حقیقت کے ساتھ ہمیشہ کے لیے چمٹاہوا ہوگا یا عارضی طور پر جوکبھی کبھی جدا ہوجائے۔اگر ہمیشہ کے لیے چمٹا ہوا ہوتو خاصہ لازم ہےاوراگر عارضی طور پر چمٹا ہواہےتو خاصہ مفارق ہے۔

خاصہ لازم کی تعریف : خاصہ لازم وہ کلی عرضی ہے جواپنے افراد کی حقیقت کے ساتھ ہمیشہ کے لیے چمٹا ہوا ہو جیسے ضاحک بالقوہ انسان کو ہمیشہ کے لیے چمٹا ہوا ہے۔یعنی ہنسنے کی صلاحیت انسان میں ہمیشہ سے ہے۔

خاصہ مفارق کی تعریف : خاصہ مفارق وہ کلی ہے جواپنے افراد کی حقیقت کے ساتھ عارضی طور پر چمٹا ہوا ہو جیسے ضاحک بالفعل انسان کو عارضی طور پر چمٹا ہوا ہے کیونکہ انسان ہمیشہ تو ہنستا نہیں رہتا بلکہ کبھی ہنستا ہےاور کبھی نہیں۔

عرض عام کی تقسیم: عرض عام کی بھی دوقسمیں ہیں

(۱)عرض عام لازم(۲)عرض عام مفارق۔

وجہ حصر : عرض عام یاتواپنے افراد کی حقیقتوں کو ہمیشہ کے لیے چمٹا ہوا ہوگا یا عارضی طور چمٹا ہوا ہوگا۔اگر ہمیشہ کے لیے چمٹا ہوا ہےتو اس کوعرض عام لازم کہتے ہیں اوراگر عارضی طور پر چمٹا ہوا ہےتواس کوعرض عام مفارق کہتے ہیں۔

عرض عام لازم کی تعریف : عرض عام لازم وہ کلی عرضی ہے کہ اپنے افراد کی حقیقتوں کو ہمیشہ کے لیے چمٹا ہوا ہو جیسے تنفس بالقوہ۔انسان اور حیوان کے لیے عرض عام لازم ہے۔کسی جاندار کا سانس لینے کی صلاحیت والا ہونا۔ہرانسان وحیوان کو لازم ہے۔

عرض عام مفارق کی تعریف : عرض عام مفارق وہ کلی ہے کہ جواپنے افراد کی حقیقتوں کو عارضی طور پر چمٹا ہوا ہو کبھی کبھی جدا ہوجائے جیسے تنفس بالفعل۔انسان وحیوان کو عارضی طور پر

چمٹا ہوا ہے کیونکہ کبھی کبھی سانس کو روک بھی لیا جاسکتا ہے۔

کہ کلی عرضی کی اولاً دو قسمیں ہیں۔(۱) لازم (۲) مفارق۔ پھر دوسری تقسیم کی کہ کلی عرضی کی ثانیاً دو قسمیں ہیں (۱) خاصہ (۲) عرض عام۔

فائدہ ہم نے یہاں مصنف علیہ الرحمۃ کے طرز کو اختیار نہیں کیا۔ اس لئے کہ اس کو اختیار کرنے پر چند خرابیاں لازم آتی تھیں۔(۱) مصنف کے طرز پر تقسیم اول کے اعتبار سے کلیات خمس یہ ہونگی ہیں جنس۔ نوع۔ فصل۔ لازم۔ مفارق۔ حالانکہ کلیات خمسہ یہ ہیں جنس۔ نوع۔ فصل۔ خاصہ۔ عرض عام اگر خاصہ اور عرض عام کو بھی شامل کیا جائے تو پھر لازم آئے گا کہ کلیات خمس کی بجائے کلیات سبع ہو جائیں گی یہ بھی غلط ہے۔ اس لیے ہم نے طرز مصنف کو اختیار نہیں کیا۔

کلیات خمسہ کی وجہ حصر : کلی دو حال۔ سے خالی نہیں اپنے افراد کی حقیقت سے خارج ہوگی یا خارج نہیں ہوگی اگر خارج نہ ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں، ای شئی کے جواب میں واقع ہوگی یا ماھو کے جواب میں۔ اگر ای شئی کے جواب میں واقع ہو تو وہ فصل ہے۔ اگر ماھو کے جواب میں واقع ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ شرکت محضہ کے اعتبار سے واقع ہوگی یا شرکت اور خصوصیت دونوں کے اعتبار سے۔

اگر شرکت محضہ کے اعتبار سے واقع ہو تو وہ جنس ہے۔ اور اگر شرکت اور خصوصیت دونوں اعتبار سے واقع ہو تو وہ نوع ہے۔

اور کلی اگر اپنے افراد کی حقیقت سے خارج ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ ایک حقیقت کے افراد کے ساتھ خاص ہوگی یا کئی حقیقتوں کے افراد پر بولی جائے گی۔ اگر ایک حقیقت کے افراد کے ساتھ خاص ہو تو وہ خاصہ ہے۔ اور اگر کئی حقیقتوں کے افراد پر بولی جائے تو وہ عرض عام ہے۔

کلیات خمس میں تقدیم وترتیب : جنس۔ نوع۔ فصل ان تینوں کو خاصہ اور عرض عام پر اس لیے مقدم کیا کیونکہ اول تین قسمیں ذاتیات کی ہیں اور آخری دو عرضی کی ہیں قاعدہ ہے کہ ذاتیات عرض پر مقدم ہوتی ہیں اس لیے اول تینوں کو مقدم کیا۔

پھر جنس کو نوع پر اس لیے مقدم کیا کہ جنس بمنزل جزء کے اور نوع بمنزل کل کے

اور ضابطہ ہے کہ جزء کل پر مقدم ہوتا ہے نیز جنس عام ہے اور نوع خاص اور قاعدہ ہے کہ عام مقدم ہوتا ہے خاص پر، اس لیے جنس کو نوع پر مقدم کیا ہے۔

پھر نوع کو فصل پر اس لیے مقدم کیا کہ کل جزء کے بعد ہوتا ہے جنس جز تھا اور نوع کل

دوسری وجہ تقدیم کی یہ ہے کہ نوع اور جنس ماھو کے جواب میں آتی ہیں اس لئے ان دونوں کو اکٹھا ذکر کر دیا۔

پھر خاصہ کو عرض عام پر اس لیے مقدم کیا کیونکہ وہ ای شئی کے جواب میں آتا ہے اور عرض عام کسی کے جواب میں نہیں آتا اس لیے خاصہ کو عرض عام پر مقدم کر دیا۔

فائدہ یہاں تین مقدمات ہیں۔

پہلا مقدمہ: یہ ہے کہ امور دو قسم ہیں واقعی و اعتباری واقعی وہ ہے کہ اعتبار معتبر کے تابع نہ ہو اور اعتباری وہ ہے جو اسی طرح نہ ہو۔

دوسرا مقدمہ: یہ ہے کہ امور اعتباریہ کے مفہوم وہ ہوتے ہیں جو کہ ذہن ذہن کی ابتداء میں حاصل ہوں

تیسرا مقدمہ: یہ ہے کہ جو تعریف ذاتیات پر مشتمل ہو اس کو حد اور جو عرضیات پر مشتمل ہو اس کو رسم کہتے ہیں۔ اور تعریف دونوں کی درمیان مشترک ہے۔

سوال کہ کلیات امور اعتباریہ ہیں اور ان کے مفہوم وہ ہیں جو کہ مذکور ہیں اور وہ ہیں بھی ذاتی تو مصنف کو یرسم وترسم کے بجائے یحد تحد کہنا چاہیے تھا۔

جواب ہو سکتا ہے یہ خود عرض ہوں اور ذاتیات ان کی اور ہوں لیکن یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ عدم علم بالحد عدم علم بالرسم کو مستلزم نہیں۔ صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ مقول، یقال، تقال کا عرضی ہے اور باقی ذاتی ہیں اور جو مرکب ہو ذاتی و عرضی سے وہ عرضی ہوتا ہے۔

لیکن مناسب یہ تھا کہ لفظ تعریف کو ذکر کرتا تا کہ دونوں کو شامل ہوتا۔

فائدہ: تعریف بالذاتیات کوحد کہتے ہیں اور تعریف بالعوارض کو رسم کہتے ہیں۔اب سوال ہوتا ہے کہ مصنف نے کلیات خمسہ کی تعریف کے لیے رسم کالفظ بولا حد کالفظ کیوں نہیں بولا۔

جواب: یہ ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں یہ تھا کہ کلیات خمسہ کی تعریف میں جو مفہومات میں نے ذکر کیے ہیں ممکن ہے وہ مفہومات ان کلیات کی ذاتیات نہ ہوں بلکہ عوارض ہوں اور تعریف بالعوارض رسم ہوتی ہے۔اس لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے رسم کالفظ بولا۔

القول الشارح الحد قول دال علی ماهية الشئی وهو الذی یترکب عن جنس الشئی وفصله القریبین کالحیوان الناطق بالنسبة الی الانسان وهو الحد التام والحد الناقص وهو الذی یترکب من جنسه البعید وفصله القریب کالجسم الناطق بالنسبة الی الانسان والرسم التام وهو الذی یترکب من الجنس القریب للشئی وخاصته اللازم کالحیوان الضاحك فی تعریف الانسان والرسم الناقص مایترکب عن عرضیات تختص جملتها بحقیقة واحدة کقولنا فی تعریف الانسان انه ماش علی قدمیه عریض الاظفار بادی البشرة المستقیم القامة ضاحك بالطبع۔

ترجمہ: قول شارح،حد وہ قول ہے جو دلالت کرے شئی کی ماہیت پر اور وہ (یا تو) مرکب ہوتا ہے اس شئی کی جنس قریب اور فصل قریب سے جیسے حیوان ناطق انسان کی طرف نسبت کرتے ہوئے اور وہ حد تام ہے اور حد ناقص وہ ہے جو مرکب ہو اس شئی کی جنس بعید اور فصل قریب سے جیسے جسم ناطق انسان کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔اور رسم تام وہ یہ جو مرکب ہو اس شئی کی جنس قریب اور خاصہ لازم سے جیسے حیوان ضاحک انسان کی تعریف میں اور رسم ناقص وہ ہے جو مرکب ہو ایسی عرضیات سے جن کا مجموعہ ایک حقیقت کے ساتھ خاص ہو۔جیسے ہمارا قول انسان کی تعریف میں بیشک وہ اپنے قدموں پر چلنے والا ہے۔چوڑے ناخنوں والا ہے،ظاہری چمڑے والا ہے،سیدھی قامت والا ہے اور طبعی طور پر ہنسنے والا ہے۔

القول الشارح

ترکیب : القول الشارح مرفوع بالضمہ لفظاً مبتداء ہے جس کی خبر ھذا محذوف ہے یا یہ خبر ہے ھذا مبتداء محذوف کی۔

تشریح : علم کی دو قسمیں ہیں تصور اور تصدیق۔ تصورات میں قول شارح مقصود ہے اور تصدیقات میں حجت مقصود ہے۔ اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض مبادی تصورات کے بعد اب مقاصد تصورات جو کہ قول شارح ہے اس کو بیان کر رہے ہیں۔

فائدہ: آج منطق ہی ایک ایسا علم ہے جس میں تعریف کی تعریف اور اس کے شرائط اور اقسام بیان کیے جاتے ہیں باقی علوم میں نہیں۔ ان میں اشیاء اور الفاظ کی تعریف کی جاتی ہے۔

مصنفؒ یہاں سے تین چیزیں بیان کر رہے ہیں (۱) قول شارح کی تعریف (۲) تعریف کی شرائط یعنی کسی چیز کی تعریف کرنے کے لئے کن کن شرائط کی ضرورت ہوتی ہے (۳) تعریف کے اقسام۔

تعریف کی تعریف: قول شارح کی تعریف۔ ایسی مرکب کلام کو کہتے ہیں جس سے معرَّف کی حقیقت کھل جائے۔ جیسے الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد سے کلمہ کی حقیقت کھل گئی ہے۔ تعریف سے دو چیزیں میں سے ایک چیز معلوم ہو جائے گی (۱) اطلاع علی الذاتیات (۲) امتیاز عن جمیع ماعداہ۔ اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا قول شارح ایسی مرکب کلام کو کہتے ہیں جس سے معرَّف کی حقیقت کھل جائے جس سے اس کی ذاتیات معلوم ہو جائے۔ یا کم از کم وہ معرَّف اپنے جمیع اغیار سے جدا ہو جائے۔

فائدہ: جہاں اطلاع علی الذاتیات ہوگی وہاں امتیاز عن جمیع ماعداہ بھی ضرور ہوگا۔ لیکن بر عکس نہیں۔ جیسے انسان کی تعریف حیوان ناطق ہے۔ اس سے انسان کی ذاتیات معلوم ہوگئی اور اپنے جمیع اغیار سے بھی جدا ہوگئی۔

قول شارح کی وجہ تسمیہ : قول شارح کو قول شارح اس لیے کہتے ہیں کہ قول کا معنی ہے مرکب، چونکہ یہ بھی عموماً دو کلیوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو قول کہتے ہیں۔ اور اس کو شارح اس لیے کہتے ہیں کہ شارح کا معنی ہے وضاحت کرنے والا۔ چونکہ اس سے معرّف کی وضاحت ہوتی ہے اس لیے اس کو شارح کہتے ہیں۔

فائدہ: تعریف کے پانچ نام ہیں (۱) قول شارح (۲) تعریف (۳) معرف (۴) حد (۵) رسم۔ اور معرَّف کے بھی پانچ نام ہیں (۱) مقول علیہ الشارح (۲) معرَّف (۳) ذو تعریف (۴) محدود (۵) مرسوم۔

انشاءاللہ

پھر اس کی دو قسمیں ہیں (۱) حد (۲) رسم۔ ان کے سمجھنے سے قبل ایک فائدہ سمجھیں۔

فائدہ: منطقی حضرات جب کسی چیز کی تعریف کرتے ہیں تو کلیات سے کرتے ہیں جزئیات سے نہیں پھر کلیات میں سے بھی کلیات خمس سے کرتے ہیں پھر کبھی ذاتیات سے اور کبھی عرضیات سے۔

اگر کسی چیز کی تعریف کلیات ذاتیات سے کی جائے تو اس کو حد کہا جائے گا اور اگر عرضیات سے کی جائے تو اس کو رسم کہا جائے گا۔

حد کی تعریف: حد وہ قول ہے جو کسی شئی کی ماہیت پر دلالت کرے یعنی تعریف بالذاتیات کو حد کہتے ہیں۔

رسم کی تعریف: رسم وہ قول ہے جو کسی شئی کے لازم پر دلالت کرے یعنی تعریف بالعوارض کو رسم کہتے ہیں۔

تعریف کے اقسام

حد اور رسم میں ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں تو اس طرح قول شارح کی کل ہوئیں۔ (۱) حد تام (۲) حد ناقص (۳) رسم تام (۴) رسم ناقص۔

وجہ حصر: کہ تعریف ذاتیات سے کی جائے گی یا عرضیات سے۔ اگر ذاتیات سے کی جائے تو یہ حد ہے اور اگر عرضیات سے تعریف کی جائے تو رسم۔ پھر اگر ذاتیات کے ذریعہ مکمل تعریف ہو تو اس کو حد تام کہا جائے گا اور اگر ذاتیات کے ذریعہ مکمل تعریف نہ ہو بلکہ کچھ کمی رہ جائے تو اس کو حد ناقص کہا جاتا ہے۔ اور اگر عرضیات کے ذریعہ مکمل تعریف ہو تو اس کو رسم تام کہا جاتا ہے اور اگر مکمل تعریف نہ ہو کچھ کمی رہ جائے تو اس کو رسم ناقص کہا جاتا ہے۔

فائدہ: منطقی لوگ کہتے ہیں کہ تم کسی شئی کی جو بھی تعریف کرو گے ہر شئی کے اندر پانچ کلیاں ضرور ہوں گی نوع بھی ہوگی فصل بھی ہوگی اس کی جنس بھی ہوگی اور اسکا خاصہ بھی ہوگا اور اسکا عام بھی ہوگا جیسے انسان ہے تو اس کے اندر پانچ کلیاں پائی جاتی ہیں۔

فائدہ: تعریف جب بھی کسی شئی کی جائے وہ ان ہی کلیات خمسہ میں سے کی جائے گی باہر سے کوئی چیز نہیں لائی جائے گی۔

فائدہ: کلیات خمسہ میں سے عرض عام کو تعریف میں ذکر نہیں کیا جائے گا باقی چار کو ذکر کیا جائے گا۔

فائدہ: عرض عام کو تعریف میں اس لیے ذکر نہیں کیا جاتا کہ اس سے تعریف کا جو مقصود ہے وہ امتیاز عن جمیع ماعداہ حاصل نہیں ہوتا۔

فائدہ: باقی چار کلیوں میں نوع تو معرَّف واقع ہوتی ہے اور باقی تینوں تعریف میں واقع ہوتی ہیں۔

فائدہ: تعریف میں دو کلیوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) فصل (۲) خاصہ۔

اس لیے کہ انہی دو کلیوں سے امتیاز عن جمیع ماعدا حاصل ہوتا ہے۔

فائدہ: اگر تعریف میں فصل موجود ہو تو اسکا نام رکھتے ہیں حد اور اگر خاصہ ہو تو اسکا نام رکھتے ہیں رسم جب ہر کی تعریف میں فصل موجود ہے تو اس کے ساتھ جنس قریب ملا دینگے تو جب ہر

تعریف کی فصل قریب اور جنس قریب کو ملا دینگے تو اسکا نام رکھتے ہیں حد تام یا کی فصل قریب کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ملائیں یا جنس بعید ملا دیں تو اسکا نام رکھتے ہیں حد ناقص اور ان پانچ کلیوں میں سے خاصہ ذکر اور اسکے ساتھ اسی معرّف کی جنس قریب ملا کر کریں تو اسکو رسم تام کہیں گے اور اگر صرف خاصہ ذکر کریں یا جنس بعید ملا دیں تو وہ رسم ناقص کہلائے گی۔

حد تام: وہ ہے جس میں معرّف کی جنس قریب اور فصل قریب سے مرکب ہو۔
۔جیسے حیوان ناطق انسان کیلیے حد تام ہے۔

حد ناقص: وہ ہے جو معرّف کی جنس بعید اور فصل قریب سے مرکب ہو یا صرف فصل قریب سے ہو جیسے جسم ناطق یا صرف ناطق۔ انسان کی حد ناقص ہے۔

رسم تام: وہ ہے جو جنس قریب اور خاصہ سے مرکب ہو۔ جیسے حیوان ضاحك انسان کے لئے رسم تام ہے۔

رسم ناقص: وہ ہے جو جنس بعید اور خاصہ سے مرکب ہو یا صرف خاصہ سے ہو۔ جیسے جسم ضاحك یا صرف ضاحك انسان کی رسم ناقص ہے۔

حدتام کی وجہ تسمیہ: حد تام کو حد تام اسلیے کہتے ہیں کہ حد کا معنی ہے المنع روکنا، چونکہ یہ تعریف بھی ذاتیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے دخول غیر سے مانع ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو حد کہتے ہیں۔ اور تام اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تعریف تمام ذاتیات پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اس کو تام کہتے ہیں۔

حد ناقص کی وجہ تسمیہ: حد ناقص کو حد ناقص اس لیے کہتے ہیں کہ حد کا معنی ہے منع کرنا چونکہ یہ تعریف بھی ذاتیات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے دخول غیر سے مانع ہوتی ہے اس لیے اس کو حد کہتے ہیں اور ناقص اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تعریف بعض ذاتیات پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو ناقص کہتے ہیں۔

رسم تام و ناقص کی وجہ تسمیہ: رسم تام کو رسم تام اس لیے کہتے ہیں کہ رسم کا معنی

ہے اثر اور خاصہ بھی اثر ہوتا ہے چونکہ یہ تعریف بالخاصہ ہے گویا یہ کہ تعریف بالاثر ہے۔ اور تام اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حد تام کے مشابہ ہے جنس قریب کے پائے جانے میں اور ناقص کو ناقص اس لیے کہتے ہیں کہ حد ناقص کے مشابہ ہوتی ہے جنس قریب کے نہ ہونے میں۔

﴿ تعریف کے شرائط ﴾

پہلی شرط کہ تعریف معرف کے برابر ہو باعتبار صدق کے یعنی جہاں معرف سچا آئے گا وہاں تعریف بھی سچی آئیگی اور اس کا برعکس بھی ہوگا۔ ایسی تعریف جامع اور مانع ہوتی ہے جامع ہونے کا مطلب یہ ہیکہ اپنے افراد کو نہ جانے دے اور مانع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غیروں کو نہ آنے دے یعنی جامع لجمیع الافراد اور مانع عن دخول الاغیار ہو

دوسری شرط تعریف معرف سے اجلی اور زیادہ روشن ہو باعتبار مفہوم کے۔ اگر تعریف معرّف سے اعرف اور اجلی نہ ہو ایسی تعریف کا کوئی فائدہ نہیں جیسے کوئی حرکت کی تعریف پوچھے تو اس کے جواب میں کہا جائے کہ وہ سکون کی ضد ہے یہ تعریف بے کار ہے اس لئے کہ اگر اس کو سکون کا پتہ ہوتا تو اس کو حرکت کی تعریف پوچھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

مزید تعریف کے شرائط شرح تہذیب یا بدر النجوم شرح سلم العلوم میں دیکھیے۔

فائدہ رسم ناقص کی صاحب ایساغوجی نے تیسری تعریف بھی ذکر کی ہے۔ جبکہ مناطقہ صرف دو تعریفیں ذکر کی ہیں۔ جس کا حاصل یہ کہ تعریف میں چند ایسے عرض عام ذکر کیے جائیں جن کا مجموعہ اس شئی کے ساتھ خاص ہوں۔ یعنی خاصہ بنجائیں۔ اس کا خاصہ والا حکم ہوگا۔ لہذا یہ اس شئی کے لیے رسم ناقص ہوگی۔ ایساغوجی سے یہی تعریف معلوم ہوتی ہے۔ جیسے اپنے قدموں پر چلنے والا، چوڑے ناخنوں والا، ظاہری چمڑے والا، سیدھی قامت والا اور طبعی طور پر ہنسنے والا انسان کی رسم ناقص ہے۔

یاد رکھیں اسے تعریف بالعرض العام نہیں ہے بلکہ تعریف بالخاصہ المرکبۃ ہے۔

فائدہ منطقی لوگ کہتے ہیں کہ ہر شئی کو پوچھنے کے لیے ایک ترتیب ہوتی ہے کسی شئی کی

تحقیق کیلیے سوال کریں گے تو اسکی تحقیق کے سب سے پہلے آپ تعریف لفظی پوچھیں گے دوسرے نمبر پر تحقیق یہ کرینگے۔ کہ آیا وہ موجود ہے یا نہیں۔ تیسرے نمبر پر اسکی تعریف حقیقی پوچھیں گے اور چوتھے نمبر پر اسکی نشانی اور خاصہ اور صفات معلوم کریں گے۔

تعریف لفظی پوچھنے کے لیے لفظ ما ہے جسکو ما شارح کہتے ہیں اور دوسرے نمبر پر موجود ہونے اور نہ ہونے کے بارے سوال کے لیے حرف ھل ہے اسکو ھل بسیطہ کہتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر تعریف حقیقی پوچھنے کیلیے لفظ ما ہے جس کو ما حقیقیہ کہتے ہیں اور چوتھے نمبر پر صفات پوچھنے کے لیے حرف ھل ہے جس کو ھل مرکبہ کہتے ہیں۔

اس کے بارے میں ایک عربی مقولہ مشہور ہے۔ الھل بین المائین والماء بین الھلین یعنی ھل بسیطہ دو ما کے درمیان ہے یعنی ما شارحہ اور ما حقیقیہ کے درمیان۔ اور ما حقیقیہ دو ھل کے درمیان ہے یعنی ھل بسیطہ اور ھل مرکبہ کے درمیان ۔

التصدیقات

منطقی حضرات کا مقصود دو چیزیں ہیں (۱) قول شارح (۲) دلیل و حجت۔ مصنفؒ پہلی چیز کی فراغت کے بعد دوسرے مقصود کو یعنی دلیل و حجت کو بیان کررہے ہیں۔

سوال دوسرا مقصد دلیل و حجت ہے اس کو بیان کرنا چاہیے تو مصنفؒ قضایا کی بحث کو کیوں شروع کردی۔

جواب مقصد ثانی تو دلیل و حجت ہیں مگر ان کا سمجھنا موقوف تھا عکس مستوی کے سمجھنے پر اور وہ موقوف تھا تناقض کے سمجھنے پر اور اس کا سمجھنا موقوف تھا قضایا پر اس لیے پہلے مصنفؒ قضایا کی بحث کو بیان کیا ہے پھر تناقض کو پھر عکس مستوی کو پھر مقصد ثانی (دلیل و حجت) کو بیان کریں گے۔

القضایا

القضایا القضیة هی قول یصح ان یقال لقائله انه صادق فیه اوکاذب وهی اما حملیة کقولنا زید کاتب واما شرطیة متصلة کقولنا ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود واما شرطیة منفصلة کقولنا العدد اما ان یکون زوجا اوفردا فالجزء الاول من الحملیة یسمی موضوعا والثانی محمولا والجزء الاول من الشرطیة یسمی مقدما والثانی تالیا والقضیة اما موجبة کقولنا زید کاتب واما سالبة کقولنا زید لیس بکاتب وکل واحد منهما اما مخصوصة کما ذکرنا واما کلیة مسورة کقولنا کل انسان کاتب ولاشئ من الانسان بکاتب واما جزئیة مسورة کقولنا بعض الانسان کاتب واما مهملة کقولنا الانسان کاتب۔

ترجمہ القضایا قضیہ وہ قول مرکب ہے کہ جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں اور وہ یا حملیہ ہوگا جیسے ہمارا قول زید کاتب ہے اور یا شرطیہ متصلہ ہوگا جیسے ہمارا قول اگر سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا یا شرطیہ منفصلہ ہوگا جیسے ہمارا قول یہ عدد یا تو جفت ہوگا یا طاق۔ پس حملیہ کے جزء اول

کوموضوع اور جزءثانی کومحمول کہتے ہیں اور قضیہ شرطیہ کے جزءاول کومقدم اور جزءثانی کوتالی کہتے ہیں۔اور پھر قضیہ یا تو موجبہ ہوگا جیسے ہمارا قول زید کاتب ہے۔یا سالبہ ہوگا جیسے ہمارا قول زید کاتب نہیں اور پھر ہرایک ان میں سے یا تو مخصوصہ ہوگا جیسے ہم نے ذکر کیا یا کلیہ مسورہ ہوگا جیسے ہمارا قول بعض انسان کاتب ہیں۔اور یا مہملہ ہوگا جیسے ہمارا قول انسان کاتب ہے۔

ترکیب القضایا خبر ہے مبتداء محذوف کی اصل میں تھا ھذا بحث القضایا۔

تشــریح :اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض قضیہ کی تعریف اوراس کی اقسام کو بیان کرنا ہے۔**القضایا:** جمع ہے قضیہ کی بمعنی حکم کیا ہوا۔

قضیہ کی تعریف: قضیہ کی وہی تعریف ہے جو جملہ خبریہ کی ہے۔ وہ قول مرکب ہے جس کے کہنے والے کوسچا یا جھوٹا کہا جاسکے۔

یادرکھیں صدق وکذب کلام اور متکلم دونوں کی صفت بنایا جاسکتا ہے۔

فــوائد قیود: تعریف میں لفظ قول بمنزل جنس کے ہے یہ تمام مرکبات ناقصہ اور تامہ اور انشائیات کوشامل ہے۔داخل ہوگئے یصح ان یقال الخ فصل ہے اس سے مرکبات ناقصہ اور مرکبات انشائیہ خارج ہوگئے۔

(۲)مرکب تام قصد به الحکایة عن الواقع ۔قضیہ وہ ہے جس سے کسی واقعہ کی حکایت مقصود ہو۔

پھر قضیہ دوقسم ہے۔ملفوظ ہوگا اور ملفوظ کی تعریف میں قول بھی ملفوظ ہوگا وہاں قضہ میں اختلاف ہے کہ ملفوظہ اور معقولہ کے درمیان مشترک ہے اور اکثر کہتے ہیں کہ معقولہ میں حقیقۃ اور ملفوظہ میں مجاز اور قول میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ملفوظہ میں حقیقۃ اور معقولہ میں مجاز لیکن ان دونوں مذاہب میں سے حقیقۃ مجاز والاصحیح ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اللفظ اذا دار بین الحقیقة و المجاز و الاشتراك فحمل علی الحقیقة و المجاز اولی من الاشتراك۔

سوال تمہاری تعریف قول یحتمل الصدق و الکذب جامع نہیں ہے کیونکہ بہت

سارے قضایا ہیں جن میں صدق ہی صدق ہے کذب نہیں جیسے الله احد۔ السماء فوقنا۔ الارض تحتنا پر صادق نہیں آتی کیونکہ فقط صدق ہی ہے۔ اور ایسے ہی بہت سارے قضایا ہیں جن میں کذب ہی کذب ہے صدق نہیں۔ جیسے السماء تحتنا۔ الارض فوقنا۔

جواب: واو بمعنی او ہے۔ یعنی جس میں صدق یا کذب کا احتمال ہو۔ مگر یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ لفظ احتمال اس کے منافی ہے۔

صحیح جواب یہ ہے کہ اس میں صدق و کذب کا احتمال قطع نظر امور خارجیہ سے۔

یعنی نفس کلام سچ اور جھوٹ دونوں احتمالوں ہو بغیر دلائل خارجیہ کے۔ اگر دلائل خارجیہ کیوجہ سے اس کا سچ ہونا ثابت ہو جائے تو یہ ہماری تعریف کے خلاف نہ ہوگا۔

والحق ہو التعریف الثانی

سوال: یقال قول سے مشتق ہے اور اگر اس کا صلہ لام ہو تو خطاب کے معنی میں ہوتا ہے تو مصنف کو انہ کے بجائے انک صادق کہنا چاہیے تھا۔ یا فیہ کو حذف اور انہ کی ضمیر قول کی طرف راجع ہوتی۔

جواب: یہ لام قول کا صلہ نہیں ہے بلکہ بمعنی عن یا بمعنی فیہ ہے۔ یعنی اس قول کے قائل کی جانب سے یا اس کے حق میں کہا جائے۔

﴿ اقسام قضیہ ﴾

قضیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) حملیہ (۲) شرطیہ، پھر حملیہ کی پانچ قسمیں ہیں (۱) مخصوصہ (۲) طبعیہ (۳) محصورہ کلیہ (۴) محصورہ جزئیہ (۵) مہملہ۔

قضیہ شرطیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) متصلہ۔ (۲) منفصلہ، پھر متصلہ کی دو قسمیں ہیں (۱) لزومیہ (۲) اتفاقیہ۔ پھر منفصلہ کی دو قسمیں ہیں (۱) عنادیہ (۲) اتفاقیہ پھر منفصلہ خواہ عنادیہ ہو یا اتفاقیہ اس کی تین قسمیں ہیں (۱) حقیقیہ (۲) مانعۃ الجمع (۳) مانعۃ الخلو۔

قضیہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حملیہ (۲) شرطیہ۔

قضیہ حملیہ : وہ قضیہ ہے جو دو مفردوں سے مرکب ہو جیسے زید قائم۔ یا ایک مفرد اور ایک مرکب سے مل کر بنے۔ اور اس میں ایک شئی کو دوسری شئی کے لیے ثابت کیا گیا ہوگا یا ایک شئی کی دوسری شئی سے نفی کی گئی ہو۔

قضیہ حملیہ کی تقسیم اولی باعتبار نسبت کے: دو قسمیں ہیں (۱) موجبہ (۲) سالبہ۔ اگر ایک شئی کو دوسری شئی کے لیے ثابت کیا گیا ہو تو اس کو موجبہ کہتے ہیں جیسے زید قائم اور اگر نفی کی گئی ہو تو اس کو سالبہ کہتے ہیں جیسے زید لیس بقائم۔

قضیہ حملیہ کے جزءاول کو موضوع اور جزء ثانی کو محمول کہتے ہیں موضوع اور محمول کے درمیان ایک نسبت ہوتی ہے اس نسبت پر جو لفظ دلالت کرے اس کو رابطہ کہتے ہیں۔

رابطہ: اس کو نسبت حکمیہ بھی کہتے ہیں یہ موضوع محمول میں ربط پیدا کر دیتا ہے۔ اگر موضوع محمول کے ساتھ رابطہ مذکور ہو تو اس قضیہ کو ثلاثیہ کہتے ہیں اور اگر مذکور نہ محذوف ہو تو اس قضیہ کو ثنائیہ کہتے ہیں۔

فائدہ یہ رابطہ عربی جملوں میں اکثر محذوف ہوتا ہے جیسے زید ھو قائم کے بجائے زید قائم کہا جاتا ہے۔

فائدہ قضیہ حملیہ کے اثبات کے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: یہ ہے کہ اگر ایک شیء کا ثبوت ہو تو دوسری شیء کے لیے یا ایک شیء کی سلب ہو۔

دوسرا طریقہ: کہ اگر قضیہ کی دونوں جانبین بالفعل یا بالقوۃ مفرد ہوں تو حملیہ ورنہ شرطیہ۔

تیسرا طریقہ: قضیہ کے انحلال سے اگر وہ منحل الی مفردین ہو تو حملیہ ورنہ شرطیہ۔

موضوع کی وجہ تسمیہ : موضوع کو موضوع اس لیے کہتے ہیں کہ بمعنی رکھا ہوا اور چونکہ یہ اپنی جگہ پر رکھا ہوتا ہے تا کہ اس پر محمول کا حمل اور حکم لگایا جا سکے۔

محمول کی وجہ تسمیہ: محمول کو محمول اس لیے کہتے ہیں کہ محمول کا معنی ہے لادا ہوا چونکہ اس کا موضوع پر حمل کیا جاتا ہے اس لیے اس کو محمول کہتے ہیں۔

﴿ **وکل واحد منهما اما مخصوصة** ﴾ اس عبارت میں قضیہ حملیہ کی تقسیم ثانی کا بیان ہے باعتبار موضوع۔

قضیہ حملیہ کی باعتبار موضوع کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) مخصوصہ (۲) طبعیہ (۳) محصورہ کلیہ (۴) محصورہ جزئیہ (۵) مہملہ۔

وجہ حصر : یہ ہے کہ قضیہ حملیہ دو حال سے خالی نہیں۔ اسکا موضوع شخص معین ہوگا یا کلی ہوگا۔ اگر موضوع شخص معین ہو تو وہ قضیہ شخصیہ ہوگا۔

اگر موضوع کلی ہو تو دو حال سے خالی نہیں کہ حکم کلی کی طبیعت پر ہوگا یا افراد پر۔ اگر حکم کلی کی طبیعت پر ہو تو وہ قضیہ طبعیہ ہوگا۔ اور اگر حکم کلی کے افراد پر ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں افراد کی تعداد کو بیان کیا گیا ہوگا یا نہیں۔ اگر افراد کی تعداد کو بیان نہ کیا گیا ہو تو وہ قضیہ مہملہ ہوگا۔ اگر افراد کی کمیت کو بیان کیا گیا ہو تو وہ قضیہ محصورہ مسورہ ہوگا۔ اور پھر قضیہ محصورہ میں حکم تمام افراد پر ہوگا یا بعض پر۔ اگر حکم تمام افراد پر ہو تو اس کو محصورہ کلیہ کہتے ہیں اور اگر حکم بعض افراد پر ہو تو اس کو محصورہ جزئیہ کہتے ہیں۔

پھر ان پانچ اقسام میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں (۱) موجبہ (۲) سالبہ۔ اب قضیہ حملیہ کی باعتبار موضوع کے دس قسمیں ہو گئیں۔

(۱) **قضیہ مخصوصہ** : وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع شخص معین ہو جیسے زید کھڑا ہے۔

(۲) **قضیہ طبعیہ** : وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم کلی کی طبیعت پر ہو۔ جیسے ہر انسان جاندار ہے۔

(۳) **قضیہ مھملہ** : وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم کلی کے افراد پر ہو لیکن افراد کی کمیت کو بیان نہ کیا گیا ہو۔ جیسے انسان جاندار ہے۔

(٤) **قضیہ محصورہ کلیہ** : وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم کلی کے تمام افراد

پر ہو۔ جیسے ہر انسان جاندار ہے۔

(۵) **قضیہ محصورہ جزئیہ** : وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم کلی کے بعض افراد پر ہو۔۔جیسے بعض جاندار انسان ہیں۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قضیہ حملیہ کی تین قسموں کو بیان کیا ہے۔اور قضیہ طبعیہ کی قسم کو بیان کیوں نہیں کیا۔

جواب قضیہ طبعیہ کو اس لیے بیان نہیں کیا کہ قضیہ طبعیہ علوم اور نتیجہ دینے میں معتبر نہیں۔

وجہ تسمیہ

۱۔ **شخصیہ** : بمعنی شخص والی یاء نسبت کی ہے چونکہ حکم معین شخص پر ہوتا ہے اسوجہ سے شخصیہ کہتے ہیں۔

۲۔ **طبعیہ**: بمعنی طبعیت والی چونکہ اس میں حکم ماہیت وطبعیت پر ہوتا ہے۔

۳۔ **محصورہ** بمعنی گھیرا ہوا یہ موضوع کے تمام افراد پر حکم کرتا ہے گویا افراد کو گھیرا ہوا ہوتا ہے

مسورہ: بمعنی احاطہ کیا ہوا یہ بھی افراد کی مقدار کو بیان کرتا ہے گویا احاطہ کیا ہوا ہے۔

۴۔ **مہملہ**: بمعنی چھوڑا ہوا اس میں بھی افراد کی مقدار کو چھوڑا جاتا ہے۔

	قضیہ کانام	مثالیں
(۱)	قضیہ حملیہ شخصیہ موجبہ	زید کاتب
(۲)	قضیہ حملیہ شخصیہ سالبہ	زید لیس بکاتب
(۳)	قضیہ حملیہ طبعیہ موجبہ	الانسان نوع
(۴)	قضیہ حملیہ طبعیہ سالبہ	الانسان بنوع
(۵)	قضیہ حملیہ مہملہ موجبہ	الانسان کاتب
(۶)	قضیہ حملیہ مہملہ سالبہ	الانسان لیس بکاتب
(۷)	قضیہ حملیہ محصورہ موجبہ کلیہ	کل انسان کاتب

(۸) قضیہ حملیہ محصورہ سالبہ کلیہ کل انسان لیس بکاتب

(۹) قضیہ حملیہ محصورہ موجبہ جزئیہ بعض الانسان کاتب

(۱۰) قضیہ حملیہ محصورہ سالبہ جزئیہ بعض الانسان لیس بکاتب

لیکن منطق میں صرف قضایا محصورہ سے بحث ہوتی ہے۔ جس کی علت مرقات یا شرح تہذیب کی شرح میں دیکھئے۔

﴿**واما كلية مسورة**﴾ سے قضیہ محصورہ مسورہ کی اقسام کو بیان کرتے ہیں۔ قضیہ محصورہ کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) موجبہ کلیہ (۲) موجبہ جزئیہ (۳) سالبہ کلیہ (۴) سالبہ جزئیہ۔

وجہ حصر: یہ ہے کہ حکم موضوع کے تمام افراد پر ہوگا یا بعض پر۔

اگر موضوع کے تمام افراد پر ہو تو کلیہ ہے اور اگر بعض پر ہو تو جزئیہ ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک دو حال سے خالی نہیں یا حکم ایجابی ہوگا یا سلبی ہوگا۔ اول موجبہ ہے اور ثانی سالبہ ہے۔ اس طرح دو کو دو سے ضرب دینے سے چار قسمیں بن جائیں گی۔

موجبہ کلیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں محمول کو موضوع کے ہر ہر فرد کے لیے ثابت کیا گیا ہو۔ جیسے کل انسان حیون۔

موجبہ جزئیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں محمول کو موضوع کے بعض افراد کے لیے ثابت کیا گیا ہو جیسے بعض الحیوان انسان۔

سالبہ کلیہ: وہ قضیہ محصورہ جس میں محمول کو موضوع کے تمام افراد سے نفی کیا گیا ہو جیسے لاشئ من الانسان بحجر۔

سالبہ جزئیہ: وہ قضیہ محصورہ ہے جس میں محمول کو موضوع کے بعض افراد سے نفی کیا گیا ہو۔ جیسے بعض الحیوان لیس بانسان۔

فائدہ: قضیہ محصورہ کو مسورہ بھی کہتے ہیں اس کی چار قسمیں ہیں۔ اس میں کلیت و جزئیت بیان کرنے کے لیے جو الفاظ مقرر کیے گئے ہیں ان کو سور کہا جاتا ہے۔ ہر قسم کے لیے کچھ الفاظ

مقرر ہیں۔

محصورات اربعہ کے سور (۱) **موجبہ کلیہ** : اس کے لیے دو سور مقرر ہیں۔

(۱) کل (۲) الف لام استغراقی جیسے کل انسان کاتب۔ ان الانسان لفی خسر۔

اور جو لفظ بھی ان سوروں کا ہم معنی ہو خواہ کسی بھی زبان کا لفظ ہو جیسے اردو زبان میں موجبہ کلیہ کا سور لفظ ہر ہے

(۲) **موجبہ جزئیہ**: اس کے لیے ایک سور ہے وہ لفظ (بعض) اور (واحد) ہے اور نکرہ جو اثبات میں واقع ہو۔ بعض الانسان کاتب۔

(۳) **سالبہ کلیہ**: اس کے لیے دو سور مقرر ہیں (۱) لاشئی (۲) لاواحد جیسے لاشئی من الانسان بحجر ولاواحد من الانسان بحجر۔ اور نکرہ تحت النفی یہ بھی سالبہ کلیہ کا سور ہے

(٤) **سالبہ جزئیہ**: اس کے لیے بھی تین سور مقرر ہیں (۱) (بعض لیس) اور (لیس بعض) اور (لیس کل) ہے۔ بعض الانسان لیس بکاتب۔

سور: سور کو سور اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ مشتق ہے سور البلد سے بمعنی شہر کی دیوار جس طرح دیوار شہر کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے اسی طرح یہ الفاظ بھی (سور) کلیہ و جزئیہ کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔

﴿**اما شرطیة متصلة**﴾: اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ قضیہ شرطیہ کی قسموں کو بیان کر رہے ہیں۔

قضیہ شرطیہ : وہ قضیہ ہے جو دو قضیوں سے مرکب ہو اور ان دونوں قضیوں کے درمیان کوئی خاص ربط ہو۔ جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا۔ اور یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق۔ قضیہ شرطیہ کے جزء اول کو مقدم اور جزء ثانی کو تالی کہتے ہیں۔

مقدم کی وجہ تسمیہ: مقدم کو مقدم اس لیے کہتے ہیں کہ مقدم کا معنی ہے آگے ہونے والا۔ اور یہ

قضیہ شرطیہ میں آگے ہوتا ہے اس لیے اس کو مقدم کہتے ہیں۔

تالی کی وجہ تسمیہ: تالی کو تالی اس لیے کہتے ہیں کہ تالی کا معنی ہے پیچھے آنے والا اور چونکہ یہ بھی قضیہ شرطیہ میں مقدم کے پیچھے آنے والا ہوتا ہے اس لیے اس کو تالی کہتے ہیں۔

قضیہ شرطیہ کی پھر دو قسمیں ہیں۔(۱) متصلہ (۲) منفصلہ۔

شرطیہ متصلہ: وہ قضیہ شرطیہ ہے کہ جس میں ایک قضیہ کے تسلیم کر لینے پر دوسرے قضیے کے ثبوت یا نفی کا حکم ہو۔ اگر ثبوت کا حکم ہو تو اس کو متصلہ موجبہ کہتے ہیں۔ اور اگر نفی کا حکم ہو تو اس کو متصلہ سالبہ کہتے ہیں۔ اول کی مثال جیسے ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود۔ اگر سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا۔ اور ثانی کی مثال جیسے لیس البتۃ ان کان زید انساناً کان فرساً ایسی بات نہیں کہ اگر زید انسان ہو تو گھوڑا بھی ہو۔

شرطیہ منفصلہ: وہ قضیہ شرطیہ ہے کہ جس میں دونوں قضیوں کے درمیان جدائی کے ثبوت یا نفی کا حکم ہو۔ اگر ثبوت کا حکم ہو تو منفصلہ موجبہ کہتے ہیں جیسے یہ شئی یا تو درخت ہے یا پتھر ہے۔

اور اگر نفی کا حکم ہو تو منفصلہ سالبہ کہتے ہیں جیسے ایسی بات نہیں کہ سورج نکلا ہو یا دن موجود ہو

والمتصلۃ اما لزومیۃ کقولنا ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود واما اتفاقیۃ کقولنا ان کان الانسان ناطقا فالحمار ناھق والمنفصلۃ اما حقیقیہ کقولنا العدد اما زوج اوفرد وھو مانعۃ الجمع والخلو معاواما مانعۃ الخلو فقط کقولنا اما ان یکون زید فی البحر واما ان لایغرق۔

ترجمہ اور متصلہ یا لزومیہ ہوگی جیسے ہمارا قول اگر سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا یا اتفاقیہ ہوگی جیسے ہمارا قول اگر انسان ناطق ہے تو گدھا ناھق ہے اور منفصلہ یا تو حقیقیہ ہوگی جیسے ہمارا قول یہ عدد جفت ہے یا طاق ہے اور وہ مانعۃ الجمع اور مانعۃ الخلو دونوں اور یا فقط مانعۃ الجمع ہوگا جیسے ہمارا قول یہ شئی یا تو درخت ہے یا پتھر ہے اور یا فقط مانعۃ الخلو ہوگی جیسے ہمارا قول زید یا تو پانی میں ہے یا

ڈوبنے والانہیں۔

تشــــریح: اس عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض قضیہ متصلہ اور قضیہ منفصلہ کی اقسام کو بیان کرنا ہے۔قضیہ متصلہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) لزومیہ (۲) اتفاقیہ۔

متصلـه لزومیـه: وہ قضیہ شرطیہ متصلہ ہے کہ جس کے دونوں قضیوں کے درمیان اس قسم کا تعلق ہو کہ اگر اول قضیہ پایا جائے تو دوسرے قضیہ کا پایا جانا لازمی ہو جیسے ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود۔

فائدہ: قضیہ متصلہ لزومیہ کے دونوں قضیوں (نسبتوں) کے درمیان ایک تعلق اور علاقہ ہوتا ہے

علاقه کی تعریف: اس کی دو تعریفیں کی گئیں ہیں

۱۔ **مابه یستصحب الشئی الشئی الاخر**۔ ایسی چیز جس کی وجہ سے دوسری چیز مستلزم ہو۔

۲۔ **مابسببه یستصحب المقدم والتالی** علاقہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے سبب مقدم تالی کا ساتھی بن جاتا ہے۔اور مستلزم ہو جاتا ہے۔فالاول عام والثانی مرادھنا۔

اس علاقہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) تضایف کا علاقہ (۲) علیت کا علاقہ۔

علاقه تضایف: دو چیزوں کے درمیان ایسی نسبت ہو کہ ان میں سے ہر ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو جیسے ابوت کا تصور بنوت کے تصور پر موقوف ہے اور بنوت کا تصور ابوت کے تصور پر موقوف ہے۔جیسے اگر زید عمر کا باپ ہے تو عمر زید کا بیٹا ہے۔

علاقه علیت: علاقہ علیت کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) مقدم تالی کے لیے علت ہو جیسے ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود۔
اس میں طلوع شمس (مقدم) علت ہے وجود نہار کی۔اور وجود نہار تالی معلول ہے۔

(۲) تالی مقدم کے لیے علت ہو جیسے ان کانت النہار موجودا فالشمس طالعۃ ۔۔اس

میں طلوع شمس (تالی) علت ہے وجود نہار کی۔ اور وجود نہار مقدم معلول ہے۔

(۳) مقدم اور تالی دونوں کسی اور علت کے معلول ہوں جیسے ان کانت الارض مضیئۃ فالنہار موجود

یہ دونوں معلول ہیں سورج نکلنے کے۔

متصلہ اتفاقیہ : وہ قضیہ شرطیہ متصلہ ہے جس کے دونوں قضیوں کے درمیان اس قسم کا تعلق نہ ہو۔ یعنی اگر اول قضیہ پایا جائے تو دوسرے قضیہ کا پایا جانا ضروری نہ ہو بلکہ اتفاقاً جمع ہو گئے ہوں جیسے اگر زید انسان ہے تو پتھر بے جان ہے۔

وجوھات تسمیہ

متصلہ: اتصال سے مشتق ہے بمعنی ملنا تو اس میں دو قضیوں کے درمیان اتصال ہوتا ہے۔

منفصلہ : انفصال سے ہے بمعنی جدائی تو اس میں بھی دو قضیوں کے درمیان جدائی کے ثبوت کا حکم یا نفی کا حکم لگایا جاتا ہے۔

لزومیہ: اس وجہ سے کہ دو قضیوں کے درمیان لزوم والا تعلق ہوتا ہے۔

اتفاقیہ: اس وجہ سے کہ دو قضیے آپس میں اتفاقاً اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

عنادیہ : عنادیہ عناد سے مشتق ہے بمعنی دشمنی تو اس میں بھی دونوں قضیے ذات کے اعتبار سے جدائی کا تقاضا کرتے ہیں اس وجہ سے اس کو عنادیہ کہتے ہیں۔

شرطیہ منفصلہ کی تین قسمیں ھیں

(۱) حقیقیہ (۲) مانعۃ الجمع (۳) مانعۃ الخلو۔

حقیقیہ : وہ قضیہ شرطیہ منفصلہ ہے کہ جس کے دونوں قضیوں کے درمیان ایسی منافات اور جدائی ہو کہ نہ تو وہ دونوں ایک شئی میں جمع ہو سکیں اور نہ دونوں معدوم ہو سکیں جیسے ھذا العدد اما زوج او فرد یہ عدد جفت ہے یا طاق ہے۔

مانعۃ الجمع : وہ قضیہ شرطیہ منفصلہ ہے کہ جس کے دونوں قضیوں کے درمیان اس قسم کی

جدائی ہو کہ دو دونوں ایک شئی میں جمع تو نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ ممکن ہو کہ وہ دونوں جدا ہو سکیں جیسے هذا لشئ اما شجر اوحجر۔ وہ شئی یا تو درخت ہے یا پتھر ہے۔

مانعة الخلو : وہ قضیہ شرطیہ منفصلہ ہے ہ جس کے دونوں قضیوں کے درمیان اس قسم کی جدائی ہو کہ وہ دونوں ایک شئی سے معدوم تو نہ ہو سکیں لیکن یہ ممکن ہو وہ دونوں ایک شئی میں جمع ہو جائیں جیسے اما ان یکون زید فی البحر واما ان لایغرق زید پانی میں ہے یا ڈوبنے والا نہیں۔

وجہ تسمیہ : اس میں یاء نسبۃ ہے یعنی حقیقت والا اور اس میں بھی انفصال حقیقی یعنی من الجانبین ہے اور تاء اس لیے ہے کہ اس کا موصوف قضیہ ہے۔ مانعۃ الجمع۔ اس وجہ سے کہ مقدم و تالی کو جمع ہونے سے روکتا ہے۔

اور مانعۃ الخلو اسوجہ سے کہ مقدم و تالی دونوں کو اٹھنے سے روکتا ہے۔

موجبه کلیه متصله کا سور کلما، اذما، مهما، حیثما، مما۔

موجبه کلیه منفصله کا سور دائما ہے۔

سالبه کلیه متصله اور منفصله کا سور لیس البتة۔

موجبه جزئیه متصله اور منفصله کا سور قد یکون ہے۔

سالبه جزئیه متصله اور منفصله کا سور قدلا یکون ہے۔

وقد یکون المنفصلات ذا ت اجزاء کقولنا هذا العدد اما زائد اوناقص اومساو۔

ترجمہ اور بعض اوقات منفصلہ کے بہت سے اجزاء ہوتے ہیں جیسے ہمارا قول یہ عدد یا زائد ہوگا یا ناقص ہوگا یا مساوی ہوگا۔

تشریح: قضیہ منفصلہ کے عام طور پر دو جزء ہوتے ہیں۔ جیسے یہ عدد جفت ہے یا طاق ہے لیکن کبھی قضیہ منفصلہ کے دو سے زائد بھی اجزاء ہوتے ہیں۔ جیسے یہ عدد یا زائد ہے یا ناقص ہے یا

مساوی ہے۔

فائدہ **عدد کی تعریف** :۔(۱) العدد مایعدٗ ۔(۲) نصف مجموع حاشیتین

عدد کی دو قسمیں ہیں۔(۱) عدد منطق (۲) عدد اصم۔

عدد منطقی: وہ عدد ہے کہ جو کسور پر پورا پورا تقسیم ہو سکے۔

عدد اصم: وہ عدد ہے کہ جو کسور پر پورا پورا تقسیم نہ ہو سکے۔

پھر عدد منطق کی تین قسمیں ہیں۔(۱) عدد زائد (۲) عدد ناقص (۳) عدد مساوی۔

ان کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اصل عدد کی تجزی کریں، تجزی سے جو اعداد حاصل ہوں ان کو جمع کریں۔ اگر ان کا مجموعہ اصل عدد سے کم ہو جائے تو وہ اصل عدد، عدد ناقص ہے۔

اور اگر ان کا مجموعہ اصل عدد کے برابر ہو جائے تو وہ اصل عدد، عدد مساوی ہے۔ جیسے بارہ عدد زائد ہے۔ اور آٹھ عدد ناقص ہے۔ اور چھ عدد مساوی ہے۔

کسور صحیحہ نو ہیں: (۱) نصف (۲) ثلث (۳) ربع (۴) خمس (۵) سدس (۶) سبع (۷) ثمن (۸) تسع (۹) عشر۔

عدد منطق کی مثال چار کا عدد ہے اور اصم کی مثال گیارہ کا عدد ہے۔ پھر منطق تین قسم ہے:

(۱) زائد (۲) ناقص (۳) مساوی

عدد زائد :اگر مجموعہ کسور عدد سے زائد ہو تو زائد جیسے بارہ کا عدد یہاں مجموعہ کسور پندرہ ہے کیونکہ بارہ کا نصف چھ ہے اور ثلث چار اور ربع تین اور سدس دو تو مجموعہ پندرہ ہے۔

عدد ناقص :وہ ہے کہ مجموعہ کسور وعدد سے کم ہوں جیسے چار اس کا نصف دو ر۔ ربع ایک تو مجموعہ تین بنتے ہیں۔ا

عدد مساوی :وہ ہے کہ مجموعہ کسور عدد کے برابر ہو جیسے چھ اس کا نصف تین اور ثلث دو اور سدس ایک تو مجموعہ چھ ہوئے۔

سوال زائد ناقص و مساوی تو مجموعہ کسور بنتا ہے عدد کو زائد و ناقص اور مساوی کیوں کہتے ہو۔

جواب سے نقشہ نعت مجالہ نہیں ہے بلکہ بحال متعلقہ ہے یعنی عدد کا متعلق جو مجموعہ کسور ہے وہ تین قسم ہے زائد الخ

بعض حضرات اسی سوال سے بچنے کے لیے تعریف کرتے ہیں کہ زائد وہ ہوتا ہے مجموعہ کسور کا ناقص ہو عدد سے جیسے چار اور ناقص وہ ہے کہ مجموعہ کسور کا زائد ہو عدد سے جیسا کہ بارہ اور مساوی وہ ہے کہ مجموعہ کسور عدد سے مساوی ہو جیسے چھ۔

سوال قضیہ منفصلہ دو سے زائد چیزوں سے مرکب نہیں ہوسکتا کیونکہ جب زائد کہا تو ناقص نہیں ہوگا۔ اب مساوی ہوگا یا نہ۔ اگر مساوی ہو تو اجتماع ضدین لازم آئے گا اور اگر نہ ہو تو ارتفاع ضدین لازم آئے گا۔

جواب یہ ایک قضیہ منفصلہ نہیں بلکہ دو منفصلہ ہیں اصل میں یوں تھا العدد اما زائد وغیرہٗ وغیرہ اما ناقص اومساو۔

﴿ التناقض ﴾

التناقض وهو اختلاف القضيتين بالايجاب والسلب بحيث يقتضي لذاته ان يكون احداهما صادقة والاخرى كاذبة كقولنا زيد كاتب وزيد ليس بكاتب۔

ترجمہ تناقض وہ مختلف ہونا ہے دو قضیوں کا ایجاب اور سلب کے اعتبار سے اس طور پر کہ یہ اختلاف بالذات تقاضہ کرے اس بات کا کہ ان دونوں قضیوں میں سے ایک سچا ہو اور دوسرا جھوٹا ہو جیسے ہمارا قول زید کاتب ہے۔ اور زید کاتب نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض تناقض کو بیان کرنا ہے۔

ماقبل میں قضیے کی تقسیم کو بیان کیا اب یہاں سے اس قضیہ کا حکم بیان کر رہے ہیں

تناقض کی تعریف: تناقض کا لغوی معنی ہے اختلاف کرنا۔ تعریف دو قضیوں کا ایجاب اور سلب کے اعتبار سے اس طور پر مختلف ہونا کہ یہ اختلاف بالذات ایک قضیہ کے صدق اور دوسرے قضیے کے کذب کا تقاضہ کرے ۔یعنی اس چیز کا تقاضا کرے کہ اگر یہ سچا ہے تو دوسرا یقیناً جھوٹا ہے۔ ایسے دو قضیوں کو متناقضین کہتے ہیں۔ اور ہر ایک قضیہ دوسرے قضیہ کی نقیض کہا جاتا ہے۔

فوائد قیود: اختلاف بمنزلہ جنس کے ہے۔ اس میں ہر قسم کا اختلاف داخل ہو گیا۔ جو اختلاف القضیتین، اختلاف المفردین اور اختلاف المفرد والقضیہ تینوں کو شامل ہے۔ **القضیتین:** یہ پہلی فصل ہے۔ جس سے اختلاف المفردین اور اختلاف المفرد والقضیہ نکل گئے۔

بالایجاب والسلب: یہ دوسری فصل ہے اس سے وہ اختلاف نکل گیا جو دو قضیوں کے درمیان تو ہو لیکن ایجاب اور سلب کے اعتبار سے نہیں بلکہ شرطیہ، حملیہ۔ محصورہ مہملہ وغیرہ کے اعتبار سے ہو

یقتضی: یہ تیسرا فصل ہے اس سے وہ اختلاف نکل گیا جو اس سے وہ اختلاف دو قضیوں کے درمیان ہو اور ایجاب اور سلب کے اعتبار سے ہو لیکن یہ اختلاف ان دونوں میں سے ایک کے سچے ہونے اور دوسرے کے جھوٹے ہونے کا تقاضہ نہ کرتا ہو جیسے زید ساکن وزید

ليس بمتحرك۔

لذاته: یہ چوتھا فصل ہے اس سے وہ اختلاف نکل گیا جو دو قضیوں کے درمیان تو ہو اور ایجاب اور سلب کے اعتبار سے بھی ہو اور یہ اختلاف ان میں سے ایک کے سچا ہونے اور دوسرے کے جھوٹا ہونے کا تقاضہ بھی کرتا ہو۔ لیکن یہ تقاضہ بالذات نہ ہو بلکہ بالواسطہ ہو جیسے زید انسان و زید لیس بناطق۔

تناقض کی شرائط: منطقیوں کے تناقض میں تین شرطیں ہوتی ہیں کوئی کا ایک مفقود ہوگئی تو تناقض نہ ہوگا۔

پہلی شرط: اختلاف دو قضیوں میں ہو۔ دو مفردوں میں نہیں ہوسکتا۔

دوسری شرط اختلاف ایجاب وسلب میں ہو۔ کہ ایک موجبہ ہو اور دوسرا سالبہ۔ اگر دونوں موجبے ہوں یا دونوں سالبے تو تناقض نہ ہوگا۔ جیسے زید قائم، زید کاتب۔

تیسری شرط: ان دونوں میں سے اگر ایک سچا مانیں تو دوسرے کو جھوٹا ماننا پڑے۔ زید قائم، زید لیس بقائم۔

تیسری شرط کے متحقق ہونے کے لیے آٹھ چیزوں میں مطابقت ضروری ہے ورنہ تناقض نہ ہوگا وہ آٹھ چیزیں شعر میں بند ہیں جن کو وحدات ثمانیہ کہا جاتا ہے۔

ولا يتحقق ذلك الاختلاف في المخصوصتين الا بعد اتفاقهما في الموضوع والمحمول والزمان والمكان والاضافة والقوة والفعل والجزء والكل والشرط فنقيض الموجبة الكلية انما هي السالبةُ الجزئية كقولنا كل انسان حيوان وبعض الانسان ليس بحيوان ونقيض السالبة الكية انما هي الموجبه الجزئية كقولنا لاشئي من الانسان بحيوان وبعض الانسان حيوان والمحصورتان لايتحقيق التناقض بينهما الابعد اختلافهما في الكلية والجزئية لان الكليتين قد تكذبان كقولنا كل انسان كاتب ولا شئي من الانسان بكاتب والجزئيتين قد تصدقان كقولنا بعض الانسان كاتب وبعض الانسان ليس بكاتبه

ترجمہ اور نہیں متحقق ہوتا یہ اختلاف (تناقض) دو قضیہ مخصوصہ کے درمیان مگر ان دونوں کے موضوع اور محمول اور زمان اور مکان اور اضافت اور قوت، فعل اور جزء، کل اور شرط میں متفق ہونے کے بعد۔ پس موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہی ہے۔ جیسے ہمارا قول ہر انسان حیوان ہے، اور بعض انسان حیوان نہیں، اور بعض انسان حیوان ہیں۔ اور دو قضیہ محصورہ کے درمیان تناقض متحقق نہیں ہوتا مگر ان کے کلیت اور جزئیت میں مختلف ہونے کے بعد اس لیے کہ کبھی دونوں کلیے جھوٹے ہوتے ہیں جیسے ہمارا قول ہر انسان کاتب ہے، اور کوئی انسان کاتب نہیں۔ اور کبھی دونوں جزئیہ سچے ہوتے ہیں جیسے ہمارا قول بعض انسان کاتب ہیں، اور بعض انسان کاتب نہیں۔

تشــریح : اس عبارت سے مصنف کی غرض دو قضیہ مخصوصہ کے درمیان تناقض متحقق ہونے کی شرائط اور دو قضیہ محصورہ کے درمیان تناقض متحقق ہونے کے لیے ایک اضافی شرط کو بیان کرنا ہے فرماتے ہیں کہ دو قضیہ مخصوصہ کے درمیان تناقض متحقق ہونے کے لیے آٹھ شرطیں ہیں جن کو وحدات ثمانیہ کہتے ہیں۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں

وحدت موضوع ومحمول ومکاں

وحدت شرط واضافت جزوکل

قوۃ وفعل است در آخر زماں

(۱) **موضوع** : دونوں قضیوں کا موضوع ایک ہو ورنہ تناقض نہ ہوگا۔ اتفاقی مثال جیسے زید قائم ۔ زید لیس بقائم زید کھڑا ہے۔ زید نہیں کھڑا ہے۔

احترازی مثال جیسے زید قائم ، عمرو لیس بقائم زید کھڑا ہے۔ عمر نہیں کھڑا ہے۔

(۲) **محمول**: دونوں قضیوں کا محمول ایک ہو تو تناقض ہوگا ورنہ نہیں

اتفاقی مثال زید بیٹھا ہے۔ زید نہیں بیٹھا ہے احترازی مثال زید فی الدار۔ زید لیس فی السوق۔

(۳) **زمانہ** : دونوں قضیوں کا زمانہ زمانہ ایک ہوتو تناقض ہوگا وگرنہ نہیں اتفاقی مثال جیسے زید صبح سویا، زید صبح نہیں سویا۔احترازی مثال زید قائم فی اللیل ، زید لیس بقائم فی النهار۔

(۴) **مکان** : دونوں قضیوں مکان میں متحد ہوں۔اتفاقی مثال جیسے زید مسجد میں ہے۔زید مسجد میں نہیں۔احترازی مثال زید قائم فی المسجد، زید لیس بقائم فی البیت۔

(۵) **اضافت**: دونوں قضیوں اضافت میں متحد ہوں تو تناقض ہوگا ورنہ نہیں۔اتفاقی مثال جیسے زید عمر کا باپ ہے، زید عمر کا باپ نہیں۔احترازی مثال جیسے ان کان زید ابا لعمرو، زید لیس باب لبکر۔

(۶) **قوۃ و فعل**: دونوں قضیوں قوت وفعل میں متحد ہوں تو تناقض ہوگا ورنہ نہیں۔
اتفاقی مثال جیسے زید لکھنے والا ہے، زید لکھنے والا نہیں (مراد دونوں قضیوں میں بالفعل ہے)
احترازی مثال جیسے الخمر مسکر بالقوۃ ۔ الخمرلیس بمسکر بالفعل۔
اور دونوں قضیوں کا قوت وفعل میں متحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک قضیہ میں محمول کو موضوع کے لیے بالقوۃ ثابت کیا گیا ہو تو دوسرے قضیہ میں بھی محمول کو موضوع سے بالقوۃ نفی کیا گیا ہو اور اگر ایک قضیہ میں محمول کو موضوع کے لیے بالفعل ثابت کیا گیا ہو تو دوسرے قضیہ میں بھی محمول کو موضوع سے بالفعل نفی کیا گیا ہو۔

(۷) **جزء ۔ کل** : دونوں قضیوں کا جزء وکل میں متحد ہوں تو تناقض ہوگا ورنہ نہیں۔اتفاقی مثال جیسے حبشی کالا ہے (کل کے اعتبار سے) حبشی کالا نہیں ہے (کل کے اعتبار سے) احترازی مثال جیسے (حبشی کالا ہے (یعنی دانت کے علاوہ) حبشی کالا نہیں (یعنی اس کے دانت)۔
دونوں قضیوں کا کل وجزء میں متحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک قضیہ میں محمول کو موضوع کے جزء کے لیے ثابت کیا گیا ہو تو دوسرے قضیہ میں بھی محمول کو موضوع کے اسی جزء سے نفی کیا گیا ہو۔اور اگر ایک قضیہ میں بھی محمول کو پورے موضوع کے لیے ثابت کیا گیا ہو تو دوسرے قضیہ میں محمول کو پورے موضوع سے نفی کیا گیا ہو

(۸) **شرط**: دونوں قضیوں میں شرط ایک ہو ورنہ تناقض نہ ہوگا۔ اتفاقی مثال۔ اگر تو میرے پاس آئے گا تو میں تیرا اکرام کروں گا۔ اگر تو میرے پاس نہیں آئے گا تو میں تیرا اکرام نہیں کروں گا۔ احترازی مثال۔ زید متحرك بالاصابع ان كان كاتباً من زيد ليس بمتحرك الاصابع ان كان ليس بكاتب۔

سوال: آپ نے صحت تناقض کو آٹھ چیزوں میں منحصر کر دیا ہے حالانکہ ان کے علاوہ اور چیزوں میں بھی وحدت ضروری ہے تو تناقض ہوگا ورنہ نہیں مثلاً آلہ میں وحدت ہو یعنی دونوں قضیوں میں آلہ ایک ہو تو تناقض ہوگا ورنہ نہیں مثال احترازی۔ زيد كاتب بالقلم الباكستاني، زيد ليس بكاتب بالقلم التركي۔ اسی طرح علت ایک ہو تو تناقض ہوگا ورنہ نہیں مثال احترازی۔ النجار عامل اى لسلطان، النجار ليس بعامل اى لزيد۔ بہر حال آٹھ میں تناقض کو بند کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب اول: تناقض کے اہم اہم شرائط بیان کیے ہیں باقی میں وحدت مخاطب کے فہم و ذہن پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے۔

جواب ثانی: بعض منطقیوں کا مذہب یہ ہے کہ تناقض کے لیے تین شرائط ہیں (۱) موضوع دونوں قضیوں کا ایک ہو (۲) محمول ایک ہو (۳) نسبت حکمیہ میں وحدت ہو۔ تو نسبت حکمیہ میں سب کچھ آ گیا ہے حتی کہ آلہ وعلت وغیرہ بھی۔

والمحصورتان لايتحقق التناقض سابقہ آٹھ چیزیں قضیہ مخصوصتین کے لیے تھیں۔ یہاں سے مصنفؒ یہ بیان کر رہے ہیں کہ دو قضیہ محصورہ میں تناقض محقق ہونے کے لیے آٹھ شرطوں کے ساتھ ایک اور شرط بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے دونوں قضیوں کا کماً مختلف ہونا یعنی اگر ایک کلیہ ہو تو دوسرا جزئیہ ہو۔

تو قضیہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ آئے گی ورنہ تناقض نہ ہوگا۔ اتفاقی مثال كل انسان حيوان وبعض الانسان ليس بحيوان۔ اگر دونوں قضیے کلیے ہوں یا دونوں جزئیے ہوں تو

تناقض نہ ہوگا کیونکہ دونوں جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں اور سچے بھی۔ جھوٹوں کی مثال کل انسان کاتب ولاشئی من الانسان بکاتب۔

سچوں کی مثال بعض الانسان کاتب وبعض الانسان لیس بکاتب۔ حالانکہ تناقض کے لیے ضروری ہے کہ ایک سچا ہو دوسرا ضرور جھوٹا ہو۔

اور موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ آئے گی مثال گزر چکی ہے۔ اور سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ آئے گی جیسے لاشئی من الانسان بحیوان وبعض الانسان حیوان۔

اور موجبہ جزئیہ کی نقیض سالبہ کلیہ آئے گی اور سالبہ جزئیہ کی نقیض موجبہ کلیہ آئے گی مثال گزر چکی ہے۔

فائدہ دو قضیہ محصورہ کا کلیت اور جزئیت میں مختلف ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اگر دونوں قضیے کلیے ہوں تو کبھی دونوں جھوٹے ہوتے ہیں جیسے ہمارا قول ہر انسان کاتب ہے اور کوئی انسان کاتب نہیں اگر دونوں جزئیے ہوں تو کبھی دونوں صادق ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارا قول بعض انسان کاتب ہیں، بعض انسان کاتب نہیں۔

سوال نقیض الموجبۃ الکلیۃ یہ مسئلہ متفرع ہے۔ والمحصورتان متفرع علیہ ہے تو مصنف کو مناسب تھا کہ متفرع علیہ کو مقدم ذکر کرتا والحال عکسہٗ۔

جواب یہ ناسخ کی غلطی ہے

ضابطہ تناقض میں دو قضیوں میں سے ہر ایک کو دوسروں کی نقیض کہیں گے اور دونوں کو نقیضین کہتے ہیں۔ جن کا ارتفاع بھی محال ہوگا اور اجتماع بھی محال ہوگا۔

﴿ عکس مستوی ﴾

العکس ھو تصییر الموضوع محمولا والمحمول موضوعاً مع بقاء الایجاب والسلب والصدق والکذب بحاله والموجبة الکلیة لاتنعکس کلیة اذیصدق قولنا کل انسان حیوان ولایصدق کل حیوان انسان۔

ترجمہ کسی قضیے کا عکس (مستوی) وہ موضوع کو محمول اور محمول کو موضوع کر دینا ہے ایجاب اور سلب اور صدق اور کذب کو اپنے حال پر باقی رکھتے ہوئے

تشریح: اس عبارت سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض عکس مستوی کی تعریف کو بیان کرنا

عکس مستوی کی تعریف: کسی قضیے کا عکس مستوی یہ ہے کہ اس کے موضوع کو محمول اور محمول کو موضوع کر دیا جائے اصل قضیے کے ایجاب اور سلب صدق اور کذب کو باقی رکھتے ہوئے۔ کہ اگر اصل قضیہ موجبہ ہو تو اس کا عکس بھی موجبہ ہو اور اگر اصل قضیہ سالبہ ہو تو اس کا عکس بھی سالبہ ہو۔ اور اگر اصل قضیہ سچا ہو تو اس کا عکس بھی سچا ہو۔

فائدہ یہ تعریف قضیہ حملیہ کے عکس پر تو صادق آتی ہے لیکن قضیہ شرطیہ کے عکس پر صادق نہیں آتی اس لیے کہ قضیہ شرطیہ میں مقدم اور تالی ہوتے ہیں نہ کہ موضوع اور محمول۔

لہذا صحیح تعریف یہ ہے۔ جو شرح تہذیب میں مذکور ہے۔ تبدیل طرفی القضیة مع بقاء الصدق والکیف قضیہ کے دونوں طرف (جزء) کو تبدیل کرنا یعنی جزء اول کو جزء ثانی اور جزء ثانی کو جزء اول کر دیا جائے صدق اور کیف یعنی ایجاب و سلب کے بقاء کے ساتھ۔ اب یہ تعریف قضیہ حملیہ اور قضیہ شرطیہ دونوں پر صادق آئے گی۔

سوال بقاء ایجاب اور سلب کی کیا وجہ ہے۔

جواب منطقیوں نے تتبع سے معلوم کیا ہے کہ ہر عکس قضیہ کا عکس لازم اور صادق وہ ہے کہ اصل کے موافق ہو بقاء صدق اور کذب کا مطلب یہ ہے کہ اگر اصل صادق ہے تو عکس بھی صادق ہو اگر اصل جھوٹا ہے تو عکس بھی کذلک۔

سوال بقاء صدق کی کیا وجہ ہے۔

جواب چونکہ اصل ملزوم ہوتا ہے اور عکس لازم۔ اور ملزوم کا صدق لازم کے صدق کو مستلزم ہوتا ہے۔

فائدہ عکس مستوی کی تعریف میں مصنفؒ سے تسامح ہو گیا ہے کہ صدق کے بقا کی شرط کے ساتھ کذب کے بقاء کی بھی شرط لگا دی۔ حالانکہ کذب کے بقاء کی شرط لگانا صحیح نہیں۔
اسلیے کہ اصل قضیہ (ملزوم) کے کذب سے یہ لازم نہیں آتا اس کا عکس یعنی لازم بھی کاذب ہو جیسے کل حیوان انسان کاذب ہے۔ لیکن اس کا عکس بعض الانسان حیوان صادق ہے۔

جواب والکذب بحالہ اعتبر اذا اور ارتہا مذکور ہے۔

دوسرا **جواب**: صدق اور کذب کل کے ذکر سے مراد جزء ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک لازم ہوتا ہے اور ایک ملزوم، ملزوم بغیر لازم کے نہیں پایا جاتا اور لازم بغیر ملزوم کے کبھی پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں پایا جاتا اس کو یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ وجود ملزوم وجود لازم کو مستلزم ہے اور وجود لازم وجود ملزوم مستلزم نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ملزوم خاص ہوتا ہے اور لازم عام ہوتا ہے اس لیے یہاں کذب کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے۔

بل تنعکس جزئیة لانا اذا قلنا کل انسان حیوان یصدق قولنا بعض الحیوان انسان فانا نجد الموضوع موصوفا بالانسان والحیوان فیکون الحیوان انسانا والموجبة الجزئیة تنعکس جزئیة بهذه الحجة ایضا والسالبة الکلیة تنعکس کلیة وذلك بین بنفسه فانه اذا صدق لاشئی من الانسان بحجر یصدق لاشئی من الحجر بانسان والسالبة الجزئیه لاتنعکس لزوما لانه یصدق بعض الحیوان لیس بانسان والا یصدق عکسه۔

ترجمہ بلکہ موجبہ کلیہ منعکس ہوتا ہے جزئیہ (یعنی موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ آتا ہے) اس لیے کہ جب ہم نے کہا کہ ہر انسان حیوان ہے، تو ہمارا قول بعض حیوان انسان ہیں صادق آتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ہم نے موضوع کو انسان اور حیوان کے ساتھ موصوف پایا۔

پس (یقیناً بعض) حیوان انسان ہوں گے اور موجبہ جزئیہ بھی اسی دلیل کے ساتھ منعکس ہوتا ہے جزئیہ (یعنی سالبہ کلیہ کا عکس سالبہ کلیہ ہی آتا ہے) اور یہ خود ظاہر ہے۔ اس لیے کہ جب کوئی انسان پتھر نہیں سچا ہے۔ تو کوئی پتھر انسان نہیں بھی سچا ہے۔ اور سالبہ جزئیہ نہیں منعکس ہوتا لازمی طور پر اس لیے کہ سچا ہے بعض حیوان انسان نہیں اور سچا نہیں ہے اس کا عکس۔

تشریح: تناقض کی شرائط کے بعد اس عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض موجبہ کلیہ، موجبہ جزئیہ، سالبہ کلیہ اور سالبہ جزئیہ کے عکس کو بیان کرنا ہے۔

موجبہ کلیہ کا عکس: موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ آئے گا نہ کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ کلیہ۔ اس لیے کہ موضوع محمول یا تو آپس میں مساوی ہونگے یا عام خاص اگر مساوی ہو تو موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ کلیہ آسکتا ہے جیسے کل انسان کاتب وکل کاتب انسان اور عام خاص کی صورت میں اس کا عکس موجبہ جزئیہ ہوگا کیونکہ اگر موجبہ کلیہ ہو تو کذب لازم آتا ہے جیسے کل انسان حیوان اور اس کا عکس کل حیوان انسان ہے جو کہ کاذب ہے۔ حالانکہ عکس کے لیے ضروری ہے کہ اول سچا ہے تو ثانی بھی سچا ہو اس مثال میں اول سچا ہے ثانی جھوٹا ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ آئے گا۔

اور منطقیوں کی اصطلاح دائمی کلی ہوتی ہے۔ اور جب بعض صورتوں میں موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ کلیہ جھوٹا بنتا تھا تو اسلئے قاعدہ بنا دیا کہ اس کا عکس موجبہ جزئیہ ہوگا۔

اس کے تین دلائل ہیں۔ افتراقی، ضمی جس کا دوسرا نام عکسی ہے

دلیل ضمی خلفی کی تعریف: ھو ضم نقیض العکس مع الاصل لینتج محالاً۔ کہ عکس کی نقیض کو اصل کے ساتھ ضم کیا جاوے اور ملایا جائے تاکہ نتیجہ محال آئے۔

دلیل کا حاصل: ہمارا دعوی مانو کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ آتا ہے مثلاً کل انسان حیوان کا عکس موجبہ جزئیہ بعض الحیوان انسان مان لو۔ اگر نہیں مانتے تو عکس کی نقیض لا شیء من الحیوان بانسان صادق آئے گی ورنہ تو ارتفاع نقیضین لازم آئے گا جو کہ باطل

ہے۔اس کو اصل کے ساتھ ضم کردو تو یوں ہو جائے گا کل انسان حیوان ولا شیء من الحیوان بانسان ۔ اس میں حیوان مکرر ہے اس کو گرانے سے نتیجہ یہ نکل آیا کل انسان لیس بانسان یہ نتیجہ غلط ہے۔اس لئے یہ سلب الشیء عن نفسہ ہے جو محال ہے اور یہ محال کہاں سے لازم آیا۔تو یہاں تین چیزیں ہیں۔

۱۔اصل ۔۲۔ضم ۔۳۔نقیض ۔یہ محال اصل سے تو لازم نہیں آتا۔کیونکہ اصل تو صحیح ہے وہ تو مفروض الصدق ہے اور ضم سے بھی صحیح ہے کیونکہ اس سے شکل اول پیدا ہوتی ہے اور وہ بدیھی الانتاج ہے تو لامحالہ کہنا پڑے گا کہ یہ عکس کی نقیض سے محال لازم آیا اور جب نقیض سے محال لازم آیا تو نقیض جھوٹی اور اصل سچا ہے یعنی عکس۔

لہذا غلطی نقیض سے ہوئی اور ہمارا دعوی درست ہوا۔

جس پر مزید دلائل شرح مرقات یا شرح تہذیب میں دیکھئے۔

موجبہ جزئیہ کا عکس : موجبہ جزئیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہی آئے گا کیونکہ جب ہم موضوع کے بعض افراد کے لیے محمول ثابت کر رہے ہیں تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمول کے لیے بھی یعنی اس کے بعض افراد کے لیے موضوع ثابت ہے اس لیے موجبہ جزئیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہی آئے گا۔جیسے بعض الانسان حیوان (موجبہ جزئیہ) کا عکس بعض الحیوان انسان ہے (موجبہ جزئیہ)

اگر کوئی نہ مانے تو اس کو ہم دلیل خلفی کے ذریعہ ثابت کریں گے۔

دلیل ضمی یا خلفی : ہمارا دعوی کہ موجبہ جزئیہ کا عکس موجبہ جزئیہ مانو اگر نہیں مانتے تو نقیض مانو مثلاً بعض الحیوان انسان کا عکس موجبہ جزئیہ بعض الانسان حیوان کا ہے صحیح مان لو وگرنہ تو اسکی نقیض لا شیء من الانسان بحیوان صحیح ہوگی اور اس کو اصل کے ساتھ ملانے سے یوں ہو جائے گا بعض الحیوان انسان ولا شیء من الانسان بحیوان تو اس کا نتیجہ بعض الحیوان لیس بحیوان ہوگا تو سلب الشیء عن نفسہ لازم ائے گا۔جو کہ محال ہے اور یہاں تین

چیزیں ہیں اصل اور ضم صحیح ہے نقیض باطل ہے۔ یہ محال نقیض سے لازم آیا ہے کما مر سابقا نقیض کے بطلان سے مدعیٰ ثابت ہوگیا۔

سالبہ کلیہ کا عکس : سالبہ کلیہ کا عکس سالبہ کلیہ ہی آئے گا۔ اس لئے کہ جب محمول کی موضوع کے ہر ہر فرد سے نفی ہوگئی تو موضوع کی بھی محمول کے ہر ہر فرد سے نفی ہوگئی یعنی سالبہ کلیہ لاسکتے ہیں جیسے لاشئی من الانسان بحجر (سالبہ کلیہ) کا عکس لاشئی من الحجر بانسان (سالبہ کلیہ) ہے۔

دلیل ضمی: ہمارا دعویٰ کہ سالبہ کلیہ کا عکس سالبہ کلیہ مانو ورنہ نقیض مانو اور اگر نقیض نہیں مانتے تو ارتفاع نقیضین لازم آئے گا جو کہ باطل ہے مثلاً لا شی، من الانسان بحجر سالبہ کلیہ کا عکس سالبہ کلیہ لاشی، من الحجر بانسان کو سچا مان لو۔ ورنہ تو اسکی نقیض صادق آئے گی جو کہ بعض الحجر انسان ہے اس کو اول سے ضم کرنے سے یوں ہو جائے گا لاشی، من الانسان بحجر و بعض الحجر انسان اس کا نتیجہ یہ نکلے گا بعض الانسان لیس بانسان ہے۔ کیونکہ نتیجہ تابع ارذل کے ہوتا ہے اور وہ جزئیہ وسلب ہے تو سلب الشیء عن نفسہ کو مستلزم ہوگا جو کہ محال ہے تو ضم سے شکل اول ہوگی اور اصل میں مسلم ہے تو یہ محال نقیض سے لازم آیا اور مستلزم المحال محال ہے لہذا یہ نقیض محال ہے۔ تو مدعیٰ ثابت ہوگا اور اگر نقیض کو مان لیا تو اصل کے خلاف ہوگا مثلاً لاشی من الانسان بحجر بعض الحجر انسان ینتج محالاً۔ یہاں تین چیزیں ہیں اصل اور ضم ٹھیک اور نقیض باطل ہے۔

سالبہ جزئیہ کا عکس : سالبہ جزئیہ کا عکس لازمی طور پر نہیں آتا جیسے بعض الحیوان لیس بانسان یہ سچا ہے اس کا عکس بعض الانسان لیس بحیوان یہ جھوٹا ہے

البتہ جب نسبت تباین کی ہو یا عموم خصوص من وجہ کی ہو تو اس وقت سالبہ جزئیہ کا عکس سالبہ جزئیہ ہی آئے گا۔ تباین کی مثال بعض من الفرس لیس بانسان عکس بعض من الانسان لیس بفرس عموم خصوص من وجہ کی مثال بعض من الحیوان لیس باسود۔

عکس بعض من الاسود لیس بحیوان۔

جب بعض صورتوں میں سالبہ جزئیہ کا عکس سالبہ جزئیہ نہیں آسکتا۔ قاعدہ بنادیا کہ سالبہ جزئیہ کا عکس آتا ہی نہیں۔ اس لیے کہ منطق کی اصطلاحات اور قوانین کلی ہوتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہوتا۔

القیاس

القياس قول مؤلف من اقوال متى سلمت لزم عنها لذاتها قول اخر هواما اقتراني كقولنا كل جسم مركب وكل مركب محدث فكل جسم محدث واما استثنائي كقولنا ان كانت الشمس طالعة فالنهار موجود ولكن النهار ليس بموجود فالشمس ليست بطالعة والمكرر بين مقدمتي القياس فصاعدا يسمى حدا اوسط وموضوع المطلوب يسمى حدا اصغر ومحموله يسمى حدا اكبر والمقدمة التي فيها الاصغر يسمى الصغرى والتي فيها الاكبر يسمى الكبرى۔

ترجمہ قیاس ایسے چند اقوال کا وہ قول مرکب ہے کہ جب ان اقوال کو تسلیم کرلیا جائے تو ان کی ذات کی وجہ سے ایک اور قضیہ لازم آئے اور وہ یا تو اقترانی ہوگا جیسے ہمارا قول ہر جسم مرکب ہے اور ہر مرکب محدث ہے۔ پس ہر جسم محدث ہے۔ اور یا استثنائی ہوگا جیسے ہمارا قول اگر سورج نکلا ہے تو دن موجود ہے۔ لیکن دن موجود نہیں۔ پس سورج نہیں نکلا اور قیاس کے دو یا زیادہ قضیوں کے درمیان جو چیز مکرر ہو، اس کا نام حد اوسط رکھا جاتا ہے۔ نتیجہ کے موضوع کا نام احد اصغر رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے محمول کا نام حد اکبر رکھا جاتا ہے۔ اور وہ مقدمہ جس میں اصغر ہو اس کا نام صغری رکھا جاتا ہے۔ اور وہ مقدمہ جس میں اکبر ہو اس کا نام کبری رکھا جاتا ہے۔

تشریح : منطقیوں کا تصدیقات میں اصل مقصد دلیل و حجت کو بیان کرنا ہے۔ قضایا اور ان کے احکام دلیل و حجت کے مبادی ہیں اس لیے ان کو پہلے بیان کیا، اب مصنف رحمۃ اللہ علیہ اصل مقصد کو بیان کرتے ہیں۔

دلیل اور حجت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) قیاس (۲) استقراء (۳) تمثیل۔ چونکہ قیاس ان میں عمدہ

تھا اس لیے اس کو بیان کیا۔

قیاس کی تعریف : قیاس کا لغوی معنی ہے اندازہ کرنا اس لیے پیمانے کو قیاس کہتے ہیں اور دوسرا معنی برابری بھی ہے۔ مناطقہ ایک اصطلاح میں قیاس قول مولف من اقول متی سلمت لزم عنہا لذاتہا قول آخر کو کہتے ہیں یعنی قیاس وہ قول ہے کہ جو مرکب ہو چند قضیوں سے جن کو مان لینے سے ایک اور نیا قضیہ کا ماننا لازم آئے۔

جیسے ہر انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم والا ہے نتیجہ ہر انسان جسم والا ہے۔ اس قول مرکب کو قیاس کہتے ہیں اور وہ نیا قضیہ جس کا ماننا ضروری ہے اس کو نتیجہ کہتے ہیں۔

نتیجہ کے تین نام ہیں۔(۱) نتیجہ۔(۲) مطلوب۔(۳) دعوی۔ منطقیوں کا اصل موضوع دلیل و تعریف ہیں یہ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں تمام علوم میں چونکہ یہ بنیادی چیزیں ہیں۔

فوائد قیود: قول دو قسم ہے ملفوظ اور معقول۔

اور قیاس بھی دو قسم ہے معقولہ میں قول بھی معقول والثانی الثانی ۔قول بمنزل جنس کے ہے تمام اقوال داخل ہو گئے مولف فی اقوال

فصل اول ہے اس سے قضیہ واحدہ خارج ہو گیا، متی سلمت بمنزل فصل ثانی کے ہے اس سے وہ قضایا خارج ہو گئے کہ جن کی ذات دوسرے قضیے کو ماننے کا تقاضا نہیں کرتی۔

متی سلمت : سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیاس کے قضیوں کا نفس الامر میں واقع ہونا ضروری نہیں جیسے ہر انسان پتھر ہے اور ہر پتھر جامد ہے نتیجہ ہر انسان جامد ہے۔

لزم عنہا : سے استقراء اور تمثیل نکل گئے اس لیے کہ ان کا نتیجہ لازمی نہیں ہوتا۔ بلکہ ظنی ہوتا ہے۔

لذاتہا: سے وہ قیاس نکل گیا جس کا نتیجہ تو لازمی آتا ہے لیکن بالذات نہیں ہوتا بلکہ بالواسطہ ہوتا ہے جیسے آ مساوی ہے با کے اور با مساوی ہے جا کے نتیجہ آ مساوی ہے جا کے تو یہاں نتیجہ تو لازم آ رہا ہے لیکن بالواسطہ اور وہ واسطہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔

سوال: مؤلف کا ذکر کرنا لغو ہے کیونکہ قول اور مؤلف متحد ہیں۔

جواب: قول اور مؤلف میں دو نظریہ ہیں۔ بعض ان کے فرق کے قائل ہیں اور بعض عدم فرق کے قائل ہیں۔ جو لوگ تفریق کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ قیاس میں شرط ہے کہ جزؤں کے درمیان تناسب ہو اس لیے مؤلف ذکر کیا اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ من اقوال جار مجرور کا متعلق نکالا ہے۔ ورنہ من تبعیضیہ کا وہم ہوتا تھا۔

سوال: من مقدمات کیوں نہیں کہا؟

جواب: اس لیے کہ یہ مستلزم دور کو ہے کیونکہ مقدمہ کی تعریف ما وضعت جزء القیاس میں لفظ قیاس مذکور ہے۔

سوال: اقوال جمع ہے جس کا اول درجہ تین ہے یعنی قیاس کم از کم تین قضیوں سے مرکب ہوگا حالانکہ قیاس دو قضیوں سے بھی مرکب ہوتا ہے۔

جواب: اصطلاح مناطقہ میں جمع کا اول فرد مافوق الواحد ہے۔ یعنی یہ مافوق الواحد کو جمع کہتے ہیں۔

سوال: مسلمۃ کیوں نہیں کہا سلمت کیوں کہا ہے مسلمۃ بمعنی تسلیم شدہ۔

جواب: قضایا کاذبہ کو باقی رکھنے کے لیے سلمت کہا گیا ہے۔ کیونکہ اگر مسلمۃ کہا جاتا تو قضایا کاذبہ خارج ہو جاتا حالانکہ قیاس قضایا کاذبہ سے بھی بنتا ہے۔

فائدہ: نتیجے کے موضوع کو اصغر کہتے ہیں اور نتیجے کے محمول کو حد اکبر کہتے ہیں۔

فائدہ: جو قضیہ قیاس کا جزء بنے اس کو مقدمہ کہتے ہیں۔

فائدہ: جس مقدمہ کے اندر اصغر ہو اس کو صغری کہتے ہیں۔ اور جس مقدمہ کے اندر اکبر ہو اس کو کبری کہتے ہیں۔

فائدہ: قیاس میں جو چیز مکرر ہو اسکو حد اوسط کہتے ہیں۔

فائدہ: حد تین قسم ہے (۱) اوسط (۲) اصغر (۳) اکبر۔ مقدمات میں جو مکرر ہوتی ہے وہ حد

اوسط ہے اور حد اصغر یہ ہے کہ موضوع نتیجہ ہو اور نتیجہ میں جو محمول ہو تو وہ حد اکبر ہے۔

فائدہ: نتیجہ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی حد اوسط کو گرا دیا جائے تو نتیجہ خود بخود نکل آئے گا

اصغر کی وجہ تسمیہ: اصغر (موضوع) کے افراد بنسبت اکبر کے کم ہوتے ہیں اس لیے اس کو اصغر کہتے ہیں۔

اکبر کی وجہ تسمیہ: اکبر (محمول) کے افراد بنسبت اصغر کے زیادہ ہوتے ہیں اس لیے اس کو اکبر کہتے ہیں۔

صغری کی وجہ تسمیہ: صغریٰ میں چونکہ حد اصغر ہوتا ہے اس لیے اس کو صغریٰ کہتے ہیں

کبری کی وجہ تسمیہ: کبریٰ میں چونکہ حد اکبر ہوتا ہے اس لیے اس کو کبریٰ کہتے ہیں۔

حد اوسط کی وجہ تسمیہ: حد اوسط کو اوسط اس لیے کہتے ہیں کہ اوسط بمعنی درمیان چونکہ یہ موضوع و محمول کی بنسبت درمیان میں ہوتی ہے اس لیے اس کو حد اوسط کہتے ہیں یا اس لیے کہ شکلوں میں سے سب سے بہتر شکل اول ہے چونکہ حد اوسط شکل اول میں صغریٰ و کبریٰ کے پاس ہوتی ہے یعنی درمیان میں ہوتی ہے اس لیے اس کو حد اوسط کہتے ہیں۔

فائدہ: حد کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔

حد بمعنی طرف ہے اور یہ بھی طرف میں واقع ہوتی ہے اور اوسط بمعنی درمیان یا وسیلہ اور یہ نتیجہ کے لیے وسیلہ ہوتی ہے اور اس کے افراد مکمل ہیں۔ اور حد اکبر بمعنی طرف کیونکہ یہ بھی طرف میں واقع ہوتی ہے اور اکبر بمعنی زیادہ کہ چونکہ اس کے افراد کثیر ہوتے ہیں۔

﴿ قیاس کی قسمیں ﴾

قیاس کی دو قسمیں ہیں (۱) اقترانی (۲) استثنائی۔

قیاس استثنائی: وہ قیاس ہے جو دو قضیوں سے مرکب ہو اور پہلا قضیہ شرطیہ ہو۔ اور دونوں قضیوں کے درمیان حرف لکن ہو اور بعینہ نتیجہ یا نتیجہ کی نقیض پہلے سے قیاس میں مذکور ہو۔

عین نتیجہ کی مثال: ان کانت الشمس طالعة فالنھار موجود لکن الشمس موجود نتیجہ فالنھار موجود۔ اگر سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا لیکن سورج موجود ہے پس دن موجود ہے۔ اس میں بعینہ نتیجہ فالنھار موجود کہ اول قضیہ شرطیہ میں مذکور ہے۔ **نقیض نتیجہ کی مثال** ان کانت الشمس طالعة فالنھار موجود ولکن النھار لیس بموجود نتیجہ فالشمس لیست بطالعة۔ اب فالشمس لیست بطالعة یہ نقیض نتیجہ ہے اول قضیہ شرطیہ الشمس طالعة کی کیونکہ اس میں اثبات ہے اور اس میں نفی ہے۔

قیاس اقترانی: قیاس اقترانی وہ قیاس ہے کہ جس میں قیاس استثنائی والی تینوں شرطیں مفقود ہوں یعنی قیاس اقترانی وہ قیاس جو دو قضیوں سے مرکب ہو اور دونوں قضیوں کے درمیان حرف لکن نہ ہو۔ اور بعینہ نتیجہ یا نتیجہ کی نقیض بھی قیاس میں مذکور نہ ہو جیسے ہر انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم والا ہے۔ نتیجہ ہر انسان جسم والا ہے۔

جیسے کل جسم مرکب وکل مرکب حادث نتیجہ فکل جسم حادث۔ یہ نتیجہ مکمل کسی ایک قضیہ میں مذکور نہیں ہے اور نہ ہی نقیض نتیجہ موجود ہے بلکہ الگ الگ دو قضیوں میں ہے ۔

قیاس اقترانی کی وجہ تسمیہ: استثنائی کو استثنائی استثنائی میں یاء نسبتہ ہے یعنی استثناء والا اور اس میں بھی حرف استثناء نہیں ہوتا ہے۔ چونکہ اس میں استثناء موجود ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو قیاس استثنائی کہتے ہیں۔

قیاس اقترانی کی وجہ تسمیہ: اقتران سے بمعنی ملا ہوا ہونا چونکہ قیاس اقترانی حدوں سے یعنی حد اوسط وغیرہ سے ملا ہوا ہوتا ہے اس لیے اس کو اقترانی کہتے ہیں۔

سوال: قیاس کی تعریف قیاس استثنائی پر صادق نہیں آتی کیونکہ قیاس میں شرط ہے کہ نتیجہ مغایر ہو اور قیاس استثنائی میں مغایرۃ نہیں ہوتی۔

جواب: اس میں مغایرۃ کل اور جزء کی موجود ہے کیونکہ نتیجہ کل ہوتا ہے اور جب قیاس میں واقع ہوتا ہے تو جزء ہوتا ہے۔

سوال: قیاس استثنائی میں نتیجہ بھیئتہ ہونا چاہیے حالانکہ نتیجہ میں حکم ہوتا ہے اور جب یہ قیاس واقع ہوتا ہے تو یا مقدم ہوتا ہے یا تالی اور ان دونوں میں حکم نہیں ہوتا۔

جواب: ھیئت سے مراد ضرب شکل ہے تو قطع نظر از حکم۔

سوال: مصنفؒ نے قیاس اقترانی کو استثنائی پر مقدم کیوں کیا۔

جواب: اس لیے کہ اقترانی بہ نسبت استثنائی بسیط ہے۔

سوال: لکن تو حرف استثناء کا نہیں ہے۔

جواب: اگرچہ نحویوں کے نزدیک نہیں ہے لیکن مناطقہ کے نزدیک ہے

سوال: مصنفؒ نے دلیل کی دو قسموں (۱) استقرار (۲) تمثیل کو کیوں نہیں بیان کیا۔

جواب اول: مصنفؒ نے کتاب کے شروع میں کہا تھا کہ فھذہ رسالۃ تو اختصار کے پیش نظر دلیل کی دو قسمیں استقرار و تمثیل کو چھوڑ دیا۔

جواب ثانی: استقرار و تمثیل چونکہ یقین کا فائدہ نہیں دیتے اس لیے ان کو ترک کر دیا۔

جواب ثالث: استقرار و تمثیل کا زیادہ تعلق فقہ سے ہے اس لیے ان کو چھوڑ دیا چونکہ یہ منطق ہے۔

وھیاہ التالیف من الصغری والکبری یسمی شکلا والاشکال اربعۃ لان حد الاوسط ان کان محمولا فی الصغری وموضوعا فی الکبری فھو الشکل الاول وانکان محمولا فیھما فھو الشکل الثانی وان کان موضوعا فیھما فھو الشکل الثالث وانکان موضوعا فی الصغری ومحمولا فی الکبری فھو الشکل الرابع۔

ترجمہ: صغری اور کبری کو ملانے سے (قیاس کو) جو ہیئت حاصل ہوتی ہے اس کو شکل کہتے ہیں۔ شکلیں کل چار ہیں۔ اس لیے کہ اگر حد اوسط صغری میں محمول اور کبری میں موضوع ہو تو وہ شکل اول ہے۔ اور اگر دونوں میں محمول ہو تو وہ شکل ثانی ہے۔ اور اگر دونوں میں موضوع ہو تو وہ شکل ثالث ہے۔ اور اگر صغری میں موضوع اور کبری میں محمول ہو تو وہ شکل رابع ہے۔

تشـــریح: اس عبارت سے مصنفؒ کی غرض شکل کی تعریف اور شکل کی اقسام (یعنی اشکال اربعہ) کو بیان کرنا ہے۔

شکل کی تعریف: صغری اور کبری کے ملانے سے قیاس کو جو ہیئت حاصل ہوتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر حد اوسط کو اصغر اور اکبر کے پاس ہونے سے جو قیاس کو ہیئت حاصل ہوتی ہے اس کو شکل کہتے ہیں اور شکلیں کل چار ہیں۔

سوال: اس کو شکل کیوں کہتے ہیں؟

جواب: شکل کی تعریف یہ ہے کہ هيئة حاصلة بها احاطة الحد او الحدود اور اس میں بھی ہیئت حاصل ہے۔ اس لیے اس کو شکل کہدیا۔

شکل اول: حد اوسط صغری میں محمول اور کبری میں موضوع ہو تو اس کو شکل اول کہتے ہیں جیسے ہر انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم والا ہے نتیجہ ہر انسان جسم ولا ہے۔ کل جسم مرکب و کل مرکب محدث فکل جسم محدث۔

شکل ثانی: حد اوسط صغری اور کبری دونوں میں محمول ہو تو اس کو شکل ثانی کہتے ہیں جیسے ہر انسان جاندار ہے اور کوئی پتھر جاندار نہیں نتیجہ کوئی انسان پتھر نہیں۔

شکل ثالث: حد اوسط صغری اور کبری دونوں میں موضوع ہو تو اس کو شکل ثالث کہتے ہیں جیسے ہر انسان جاندار ہے۔ اور بعض انسان لکھنے والے ہیں۔ نتیجہ بعض جاندار لکھنے والے ہیں۔

شکل رابع: حد اوسط صغری میں موضوع اور کبری میں محمول ہو تو اس کو شکل رابع کہتے ہیں جیسے ہر انسان جاندار ہے۔ اور بعض لکھنے والے انسان ہیں۔ نتیجہ بعض لکھنے والے جاندار ہیں۔

﴿وجہ تسمیہ: شکل اول کو شکل اول اس لیے کہتے ہیں کہ شکل اول بدیہہ اندتاج ہوتی ہے اس کے نتیجے میں شک و شبہ نہیں ہوتا اس لیے اس کو شکل اول کا نام دیا۔ شکل ثانی اس وجہ سے کہ افضلالمقدقین میں سکل اول کے ساتھ ملتی ہے یعنی شکل ثنی کا صغری شکل اول کے صغری کی

طرح ہوتا ہے اس لیے اس کو شکل ثانی کہتے ہیں، شکل ثالث اس وجہ سے کہ ارزل المقدمین میں شکل اول کے ساتھ ملتی ہے یعنی شکل ثالث کا کبری شکل اول کے کبری کی طرح ہوتا ہے، شکل رابع اس وجہ سے کہ یہ شکل اول کے الٹ ہے اس لیے اس کو آخر میں رکھا اور شکل رابع کا نام دیا۔ پھر چاروں شکلوں کے صغری و کبری میں محصورات اربعہ یعنی موجبہ کلیہ، موجبہ جزئیہ، سالبہ کلیہ، سالبہ جزئیہ، میں سے کچھ ہوسکتا ہے اس اعتبار سے قیاس بننے کے عقلی احتمالات ہر شکل کے سولہ بنتے ہیں۔ پھر شکل کے نتیجہ دینے کے لیے کچھ شرائط ہیں وہ شرائط جن احتمالات کے اندر پائے جائیں گے تو وہ احتمالات نتیجہ دیں گے اور اگر نہ پائے گئے تو پھر وہ احتمالات نتیجہ نہیں دیں گے شرائط کی وجہ سے جو احتمال نتیجہ دے اس کو ضروب
نتیجہ کہتے ہیں اور اگر نتیجہ نہ دے تو اس کو ضروب عقیمہ کہتے ہیں۔

عبارت: والثانی یرتد الی الاول بعکس الکبری والثالث یرتد الیه بعکس الصغری والرابع یرتد الیه بعکس الترتیب وبعکس المقدمتین۔

ترجمہ اور دوسری شکل۔ شکل اول کی طرف کبری کے عکس کے ساتھ لوٹتی ہے۔ اور تیسری شکل شکل اول کی طرف صغری کے عکس کے ساتھ لوٹتی ہے۔ اور چوتھی شکل شکل اول کی طرف ترتیب کے عکس کے ساتھ اور مقدمتین کے عکس کے ساتھ لوٹتی ہے۔

تشریح: اس عبارت مصنفؒ تینوں شکلوں (ثانی۔ ثالث اور رابع) کو شکل اول کی طرف لوٹانے کا طریقہ بیان کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ شکل اول مدار و معیار ہے۔ اگر دوسری شکلوں کے نتیجہ پر کوئی اعتراض ہوتا ہے تو ان اشکال کو پہلی شکل کے مطابق کر کے اس کے نتیجہ کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ اس لیے یہ یاد کرنا ضروری ہے کہ دوسری شکلوں کو پہلی شکل کی طرف لوٹانے طریقے کے کیا ہیں۔ بعنوان دیگر

طریقہ پڑتال

شکل اول کا نتیجہ بدیہہ ہوتا ہے اس کے نتیجہ میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوتا باقی تینوں شکلوں کا

نتیجہ مشکوک ہوتا ہے تو شک کو ختم کرنے کے لیے مشکوک نتیجہ کو شکل اول کی طرف لوٹائیں گے یعنی شکل اول کے نتیجہ کی طرف لوٹائیں گے اگر مثلاً شکل ثانی و ثالث رابع میں سے کسی ایک کا نتیجہ شکل اول کے نتیجہ کی طرح بعینہ ہوا تو پھر اس شکل کا نتیجہ صحیح ہوگا ورنہ غلط۔ کیونکہ شکل اول کا نتیجہ کسی صورت میں غلط نہیں ہوسکتا تو پھر اس جیسا نتیجہ کیسے غلط ہوگا۔

شکل ثانی افضل المقدمتین میں شکل اول کے ساتھ ملتی جلتی ہے اس لیے عقل سلیم و صحیح الطبع والے شخص کو شکل ثانی کو شکل اول کی طرف لوٹانے کی ضرورت نہیں پڑے گی اگر پڑ گئی تو پھر ہم اس کے لیے طریقہ کار بتا دیتے ہیں۔

شکل ثانی کو شکل اول بنانے کا طریقہ : شکل ثانی کے نتیجہ کے جانچ پڑتال کا طریقہ۔ شکل ثانی کا کبری جو ہے اس کا عکس نکالیں گے پھر وہی عکس شکل اول کے کبری کے مقام پر رکھیں گے تو شکل اول بن جائے گی اب جو شکل اول کا نتیجہ نکلے گا اس کو شکل ثانی کے مشکوک نتیجہ کے ساتھ ملائیں گے اگر ایک جیسے ہوئے تو پھر شکل ثانی کا نتیجہ صحیح ہوگا ورنہ غلط ہوگا۔

مثال۔ شکل ثانی کل انسان حیوان۔ لاشئی من الحجر بحیوان

نتیجہ۔ لاشئی من الانسان بحجر

اب اس شکل ثانی کے کبری کا عکس نکالیں۔ جیسے لاشئی من الحجر بحیوان کا عکس ہے لاشئی من الحیوان بحجر۔ اب اس عکس کو شکل اول کے کبری کے مقام پر رکھیں۔

کل انسان حیوان و لاشئی من الحیوان بحجر۔ تو یہ شکل اول بن گئی

نتیجہ۔ لاشئی من الانسان بحجر۔

اب یہ شکل ثانی کا نتیجہ بعینہ شکل اول کے نتیجہ کی طرح ہے۔ اس لیے شکل ثانی کا نتیجہ صحیح ہوا۔

شکل ثالث کو شکل اول بنانے کا طریقہ : شکل ثالث کے صغری کا عکس نکالیں گے پھر وہی صغرے کا عکس شکل اول کے صغری کے مقام پر رکھیں گے تو شکل اول بن جائے گی اب جو شکل اول کا نتیجہ نکلے گا اس کو شکل ثالث کے نتیجہ کے ساتھ ملائیں گے ایک جیسے نتیجہ کے ہونے کی

صورت میں شکل ثالث کا نتیجہ صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

مثال۔شکل ثالث:۔ کل انسان حیوان۔ لاشئی من الانسان بحجر

نتیجہ جزئیہ آئے گا۔ بعض الحیوان لیس بحجر

یہ شکل ثالث ہے ۔اب اس شکل ثالث کے صغری کا عکس نکالیں ۔جیسے کل انسان حیوان کا عکس ہے بعض الحیوان انسان ۔اب اس عکس کو شکل اول کے کبری کے مقام پر رکھیں۔

بعض الحیوان انسان۔ و لاشئی من الانسان بحجر

نتیجہ۔ بعض الحیوان لیس بحجر

شکل ثالث کا نتیجہ بعینہ شکل اول کی طرح ہے لہذا شکل ثالث کا نتیجہ صحیح ہوگا شکی نہ ہوگا۔

شکل رابع کو شکل اول بنانے کا طریقہ : شکل رابع کو شکل اول کی طرف لوٹانے کے دو طریقے ہیں۔شکل رابع کے نتیجہ کے جانچ پڑتال کے دو طریقے ہیں

پہلا طریقہ : شکل رابع کے دونوں مقدموں کی ترتیب بدل دی جائے یعنی صغری کو کبری کی جگہ اور کبری کو صغری کی جگہ رکھ دیا جائے ۔اب یہ شکل اول بن گئی پھر نتیجہ نکالیں

اور نتیجہ نکالنے کے بعد پھر اسی نتیجہ کا عکس نکالیں ۔اب دیکھیں یہ عکس نتیجہ شکل اول کے نتیجہ کی طرح ہے یا نہیں اگر ہے تو شکل رابع کا نتیجہ صحیح ہوگا ورنہ غلط۔

مثال شکل رابع ۔ کل انسان حساس۔ کل ناطق انسان۔

مقدمتین کا عکس۔ کل ناطق انسان۔ کل انسان حساس

نتیجہ : کل ناطق حساس

عکس نتیجہ : بعض الحساس ناطق۔ اب یہ عکس نتیجہ بعض الحساس ناطق طریقہ اول کے شکل اول کے نتیجہ کی طرح ہے وہ بھی بعض الحساس ناطق ہے لہذا شکل رابع کا نتیجہ بعض الحساس ناطق بھی صحیح ہوا نہ کہ غلط۔

دوسرا طریقہ :(۱)شکل رابع کے دونوں مقدموں کا عکس نکالا جائے یعنی صغری اور کبری

دونوں کا عکس نکالا جائے اور اس کو شکل اول کے صغری و کبری کے مقام پر رکھ کر دیا جائے تو شکل اول بن جائے گی تو جو شکل اول کا نتیجہ تیار ہوگا۔ اس کو شکل رابع کے نتیجہ کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اگر دونوں نتیجے ایک جیسے ہوں تو پھر شکل رابع کا نتیجہ صحیح ہوگا ورنہ غلط۔

مثال شکل رابع۔ کل انسان حساس۔ بعض الناطق انسان

نتیجہ جزئیہ آئے گا۔ بعض الحساس ناطق

مثال، عکس صغری و کبری شکل رابع۔

بعض الحساس انسان۔ بعض الانسان ناطق

نتیجہ جزئیہ بعض الحساس ناطق

اب شکل اول کا نتیجہ بھی بعض الحساس ناطق ہے اور شکل رابع کا نتیجہ بھی بعض الحساس ناطق ہے لہذا شکل رابع کا نتیجہ صحیح ہوگا۔

تنبیہ مناطقہ کے ہاں ایجاب وسلب کو کیفیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کلیہ وجزئیہ کو کمیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر کیفیت میں اختلاف ہوجائے تو نتیجہ سالبہ آئے گا اور اگر کمیت میں اختلاف ہو تو پھر کلیہ وجزئیہ میں سے نتیجہ جزئیہ آئے گا یعنی شکل اول میں نتیجہ ہمیشہ اخص وارزل کے تابع ہوگا۔ کہ اگر دونوں موجبہ ہیں تو نتیجہ بھی موجبہ اگر دونوں سالبہ ہیں تو نتیجہ بھی سالبہ اگر ایک موجبہ ہے دوسرا سالبہ تو نتیجہ سالبہ آئے گا۔

شکل ثانی کا نتیجہ سالبہ آئے گا۔

اور شکل ثالث ورابع کا نتیجہ کلیہ وجزئیہ میں سے جزئیہ آئے گا کلیہ نہیں آئے گا۔

وبديهي الانتاج هو الاول والذي له عقل سليم وطبع مستقيم لايحتاج الى رد الثاني الى الاول وانما ينتج الثاني عند اختلاف مقدمتيه بالايجاب والسلب وكلية الكبرى۔

ترجمہ بدیہی الانتاج (واضح نتیجہ دینے والی) وہ شکل اول ہے۔ جس کے پاس عقل سلیم ہو اور طبیعت صحیح ہو وہ محتاج نہیں ہوگا دوسری شکل کو شکل اول کی طرف لوٹانے کا اور شکل ثانی صرف اپنے دونوں مقدموں کے ایجاب وسلب کے اعتبار سے مختلف ہونے اور کبری کے کلیہ ہونے کے وقت نتیجہ دے گی۔

شکل اول کی فضیلت : اشکال اربعہ میں سے بدیھی الانتاج یعنی واضح نتیجہ دینے والی وہ شکل اول ہے یعنی اس سے حاصل شدہ نتیجہ کو ہر کوئی تسلیم کرتا ہے اور اس کے نتیجہ دینے کے عمل پر کوئی اشکال نہیں اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوتا۔

شکل اول کا نتیجہ محصورات اربعہ میں بھی چاروں صورتوں میں ہوتا ہے یعنی موجبہ کلیہ، موجبہ جزئیہ، سالبہ کلیہ، سالبہ جزئیہ، بقیہ اشکال کا نتیجہ چاروں صورتوں میں نہیں ہوتا بعض میں ہوتا ہے بعض میں نہیں ہوتا اس لیے شکل اول چاروں شکلوں سے بہتر وافضل ہے۔ اسی لئے شکل اول کو علوم کے لیے معیار بنایا گیا ہے۔ اسی وجہ سے تو دوسری شکلوں کو شکل اول کی طرف لوٹا کر نتیجہ نکالتے ہیں اور شکل ثانی شکل اول کے انتہائی قریب ہے اس لیے اگر کسی کے پاس عقل سلیم ہو تو وہ آسانی سے دوسری شکل سے نتیجہ نکال سکتا ہے۔ اور اس کو شکل اول کی طرف لوٹانے کا محتاج نہیں ہوتا اس لیے کہ شکل ثانی شکل اول کے مشابہ ہوتی ہے قیاس کے اعلی مقدمہ صغری میں۔

فائدہ قیاس میں کم از کم دو مقدمے ضرور ہونگے اور دونوں محصورات اربعہ ہی میں ہوں گے۔

فائدہ قیاس کا نتیجہ ان ہی دو مقدموں سے نکالا جائے گا باہر سے کوئی چیز نہیں لائی جائے گی۔

فائدہ: نتیجہ نکالتے وقت حد اوسط کو گرا دینگے۔

فائدہ: نتیجہ نکالتے وقت صغریٰ اور کبریٰ کے دونوں سوروں میں سے ایک سور کو گرا دینگے

فائدہ: نتیجہ ہمیشہ اخص ارزل کے تابع ہوگا۔

اخص یہ اعم کے مقابلہ میں ہے قضایا میں کلیہ اعم اور جزئیہ اخص ہوتا ہے۔

ارزل یہ اشرف کے مقابلہ میں ہے محصورات اربعہ میں سالبہ ارزل اور موجبہ اشرف ہے۔

لہذا جب نتیجہ قیاس سے نکالیں گے تو صغریٰ اور کبریٰ میں سے جو سالبہ اور جزئیہ ہوگا اس کے تابع نتیجہ نکالا جائے گا مثال کے طور پر بعض الجسم مولف لاشئی من المولف بمقدیم۔ اس کا نتیجہ بعض الجسم لیس بقدیم آئیگا اخص اور اعم میں اخص یعنی جزئیہ کو لیا اور یجاب اور سلب کو لیا ایسا غوجی کے اندر ضرب شکل اول اور شکل ثانی سے بحث تفصیل کے ساتھ ہوگی اس لیے ان دونوں کے نتیجہ دینے کے شرائط کا معلوم کرنا اشد ضروری ہے۔

والشکل الاول هو الذی جعل معیار العلوم فنورده هٰهنا لیجعل دستورا ومیزانا ینتج منه المطالب کلها وشرط انتاجها ایجاب الصغریٰ وکلیة الکبریٰ وضروبه المنتجة اربعة الضرب الاول کل جسم مؤلف وکل مؤلف محدث فکل جسم محدث والثانی کل جسم مؤلف ولاشئی من المؤلف بقدیم فلاشئی من الجسم بقدیم والثالث بعض الجسم مؤلف کل مؤلف محدث فبعض الجسم محدث والرابع بعض الجسم مؤلف ولاشئی من المؤلف بقدیم فبعض الجسم لیس بقدیم۔

ترجمہ: شکل اول کو علوم کے لیے معیار بنایا گیا ہے۔ اس لیے ہم اسے یہاں پیش کریں گے تا کہ اسے دستور و میزان مقرر کر لیا جائے کہ اس سے تمام نتائج حاصل ہوں۔ اس (شکل اول) کے نتیجہ دینے کی شرط یہ ہے کہ صغریٰ موجبہ ہو اور کبریٰ کلیہ ہو اس کے نتیجہ دینے والی ضروب چار ہیں۔ پہلی ضرب جیسے ہر جسم مرکب ہے۔ اور ہر مرکب حادث ہے۔ نتیجہ ہر جسم حادث ہے۔ دوسری ضرب جیسے ہر جسم مرکب ہے اور کوئی مرکب قدیم نہیں۔ نتیجہ کوئی جسم قدیم نہیں۔ تیسری

ضرب جیسے بعض جسم مرکب ہیں اور ہر مرکب حادث ہے۔ نتیجہ بعض جسم حادث ہیں۔ چوتھی ضرب جیسے بعض جسم مرکب ہیں۔ اور کوئی مرکب قدیم نہیں۔ نتیجہ بعض جسم قدیم نہیں ہیں۔

تشریح: اس عبارت میں شکل اول کے نتیجہ دینے کی شرائط اور شکل اول کی ضروب منتجہ کو بیان کیا گیا ہے۔ شکل اول چونکہ علوم کے لیے معیار تھا۔ اس لیے ہم اس کو یہاں ذکر کرتے ہیں تا کہ اس سے تمام نتیجے نکالے جاسکیں۔

شکل اول کے نتیجہ دینے کی شرائط: شکل اول کے نتیجہ دینے کی دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط: ایجاب صغریٰ یعنی صغریٰ موجبہ ہو خواہ کلیہ ہو یا جزئیہ ہو۔

دوسری شرط: کلیت کبریٰ یعنی کبریٰ کلیہ ہو خواہ سالبہ کلیہ ہو یا موجبہ کلیہ ہو۔

۔شکل کی عقلی طور پر سولہ ضربیں بنتی ہیں۔ لیکن اس شکل اول کے نتیجہ دینے والی کل چار ضربیں ہیں۔ شکل اول کے ۱۶ احتمالوں میں سے فقط چار احتمال ایسے ہیں جو شرائط کے پائے جانے سے نتیجہ دیتے ہیں جن کو ضروب نتیجہ کہتے ہیں باقی بارہ احتمال ایسے ہیں جو کہ دونوں شرطوں کے مفقود ہو جانے کیوجہ سے یا ایک شرط کے مفقود ہو جائے کی وجہ سے نتیجہ نہیں دیتے جن کو ضروب عقیمہ کہتے ہیں۔

اب شکل اول کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں جس میں ہر احتمال کی نشاندہی کی گئی ہے۔

نقشہ شکل اول

صغریٰ	کبریٰ	نتیجہ	مثال صغریٰ	مثال کبریٰ	مثال نتیجہ
موجبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	کل جسم مرکب	کل مرکب حادث	کل جسم حادث
موجبہ کلیہ	موجبہ جزئیہ	عقیمہ	x	x	x

// //	سالبہ کلیہ	سالبہ کلیہ	کل جسم مرکب	لاشئی فی المرکب بقدیم	لاشئی من الجسم بقدیم
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
موجبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	موجبہ جزئیہ	بعض الجسم مرکب	کل مرکب حادث	بعض الجسم حادث
// //	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	بعض الجسم مرکب	لاشئی من المرکب بقدیم	بعض اجسم لیس بقدیم
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
سالبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	x	x	x	x
// //	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ کلیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
سالبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	x	x	x	x
// //	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ کلیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x

نقشہ شکل اول

نمبر شمار	صغریٰ	کبریٰ	منتج وغیر منتج
۱	موجبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	منتج (موجبہ کلیہ)
۲	موجبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	منتج (موجبہ جزئیہ)
۳	سالبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	غیر منتج
۴	سالبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	غیر منتج
۵	موجبہ کلیہ	موجبہ جزئیہ	غیر منتج
۶	موجبہ جزئیہ	موجبہ جزئیہ	غیر منتج
۷	سالبہ کلیہ	موجبہ جزئیہ	غیر منتج
۸	سالبہ جزئیہ	موجبہ جزئیہ	غیر منتج
۹	موجبہ کلیہ	سالبہ کلیہ	منتج (سالبہ کلیہ)
۱۰	موجبہ جزئیہ	سالبہ کلیہ	منتج (سالبہ جزئیہ)
۱۱	سالبہ کلیہ	سالبہ کلیہ	منتج (سالبہ جزئیہ)
۱۲	سالبہ جزئیہ	سالبہ کلیہ	غیر منتج
۱۳	موجبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	غیر منتج
۱۴	موجبہ جزئیہ	سالبہ جزئیہ	غیر منتج
۱۵	سالبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	غیر منتج
۱۶	سالبہ جزئیہ	سالبہ جزئیہ	غیر منتج

شکل اول کی ضروب اربعہ منتجہ یہ ہیں۔

پہلی ضرب: صغریٰ موجبہ کلیہ۔ کبریٰ موجبہ کلیہ۔

ہر جسم مؤلف ہے اور ہر مؤلف محدث ہے۔ نتیجہ ہر جسم محدث ہے۔

دوسری ضرب : صغریٰ موجبہ کلیہ۔ کبریٰ سالبہ کلیہ

ہر جسم مؤلف ہے۔ کوئی مؤلف قدیم نہیں۔ نتیجہ کوئی جسم قدیم نہیں۔

تیسری ضرب: صغریٰ موجبہ جزئیہ۔ کبریٰ موجبہ کلیہ

بعض جسم مؤلف ہیں۔ ہر مؤلف محدث ہے۔ نتیجہ بعض جسم محدث ہیں۔

چوتھی ضرب: صغریٰ موجبہ جزئیہ۔ کبریٰ سالبہ کلیہ۔

بعض جسم مؤلف ہیں۔ کوئی مؤلف قدیم نہیں۔ نتیجہ بعض جسم قدیم نہیں۔

شکل ثانی: شکل ثانی کے نتیجہ دینے کے لیے دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط :اختلاف المقدمتین یعنی دونوں مقدمے ایجاب اور سلب کے اعتبار سے مختلف ہوں۔ اگر ایک موجبہ ہو تو دوسرا سالبہ ہو۔

دوسری شرط :(۲) کلیت کبریٰ یعنی کبریٰ کلیہ ہو۔ اس شکل ثانی کی بھی چار ضروب منتجہ ہیں۔ اور باقی بارہ غیر منتج ہیں۔

نقشہ شکل ثانی

صغریٰ	کبریٰ	نتیجہ	مثال صغریٰ	مثال کبریٰ	مثال نتیجہ
موجبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	x	x	x	x
// //	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ کلیہ	سالبہ کلیہ	کل جسم مرکب	لاشئی من المرکب بقدیم	لاشئی من الجسم بقدیم
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
موجبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	x	x	x	x

// //	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	بعض الانسان بحیوان	لاشئی من الحجر بحیوان	بعض الانسان لیس بحجر
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
سالبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	سالبہ کلیہ	لاشئی من الحجر بحیوان	کل انسان حیوان	لاشئی من الحجر بانسان
// //	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ کلیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
سالبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	بعض الحجر لیس بحیوان	کل انسان حیوان	بعض الحجر لیس بانسان
// //	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ کلیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x

شکل ثانی کی چار ضروب منتجہ بمع امثلہ

ضرب اول : صغریٰ موجبہ کلیہ۔ کبریٰ سالبہ کلیہ ۔ نتیجہ سالبہ کلیہ

جیسے کل انسان حیوان ولاشئی من الحجر بحیوان فلاشئی من الانسان بحجر۔

ضرب ثانی : صغریٰ سالبہ کلیہ۔ کبریٰ موجبہ کلیہ ۔ نتیجہ سالبہ کلیہ

جیسے لاشی من الحجر بانسان، وکل ناطق انسان،فلاشئی من الحجر بناطق۔

ضرب ثالث : صغریٰ موجبہ جزئیہ ۔ کبریٰ سالبہ کلیہ ۔ نتیجہ سالبہ جزئیہ

جیسے بعض الحیوان انسان، لاشی من الحجر بنسان، فبعض الانسان لیس بحجر۔

ضرب رابع : صغریٰ سالبہ جزئیہ ۔ کبریٰ موجبہ کلیہ ۔ نتیجہ سالبہ جزئیہ

جیسے بعض الحیوان لیس بانسان ، وکل ناطق انسان، فبعض الحیوان لیس بناطق۔

شکل ثالث کے نتیجہ دینے کے لیے دو شرطیں ہیں (۱) ایجاب صغریٰ (۲) کلیہ احد المقدمتین ۔یعنی صغریٰ اور کبریٰ دونوں میں سے کوئی ایک کلیہ ضرور ہو اور صغریٰ ہر حال میں موجبہ ہو۔اس اعتبار سے شکل ثالث کے سولہ احتمالوں میں سے چھ احتمال ایسے ہیں جو کہ شرائط کے پائے جانے کی وجہ سے نتیجہ دیں گے ان کو ضروب نتیجہ ہیں۔باقی دس احتمال ضروب
عقیمہ ہیں۔

نقشہ شکل ثالث

صغریٰ	کبریٰ	نتیجہ	مثال صغریٰ	مثال کبریٰ	مثال نتیجہ
موجبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	موجبہ جزئیہ	کل انسان حیوان	کل انسان ناطق	بعض الحیوان ناطق
// //	موجبہ جزئیہ	موجبہ جزئیہ	کل انسان حیوان	بعض الانسان کاتب	بعض الحیوان کاتب
// //	سالبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	کل انسان حیوان	لاشئی من الانسان لحجر	بعض الحیوان لیس لحجر

//	سالبہ جزئیہ	سالبہ جزئیہ	کل حیوان جسم	بعض الحیوان لیس بضاحك	بعض الجسم لیس بضاحك
موجبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	موجبہ جزئیہ	بعض الحیوان انسان	کل حیوان متنفس	بعض الانسان متنفس
//	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
//	سالبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	بعض الحیوان انسان	لاشئی من الحیوان بحجر	بعض الانسان لیس بحجر
//	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
سالبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	x	x	x	x
//	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
//	سالبہ کلیہ	x	x	x	x
//	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
سالبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	x	x	x	x
//	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
//	سالبہ کلیہ	x	x	x	x
//	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x

شکل ثالث کے چھ ضرب منتجہ بمع امثلہ

ضرب اول: صغری اور کبری موجبہ کلیہ ۔ نتیجہ موجبہ جزئیہ

جیسے کل انسان حیوان، وکل انسان ناطق فبعض الحیوان ناطق۔

ضرب ثانی: صغریٰ موجبہ کلیہ ۔ کبریٰ سالبہ کلیہ ۔نتیجہ سالبہ جزئیہ

جیسے کل انسان حیوان،ولاشئی من الانسان بحجر فبعض الحیوان لیس بحجر۔

ضرب ثالث: صغریٰ موجبہ کلیہ ۔ کبریٰ موجبہ جزئیہ ۔ نتیجہ موجبہ جزئیہ

جیسے کل انسان حیوان ، بعض الانسان کاتب فبعض الحیوان کاتب۔

ضرب رابع: صغریٰ موجبہ جزئیہ ۔ کبریٰ موجبہ کلیہ ۔ نتیجہ موجبہ جزئیہ

جیسے بعض الحیوان انسان، وکل حیوان متنفس، فبعض الانسان متنفس۔

ضرب خامس: صغریٰ موجبہ جزئیہ ۔ کبریٰ سالبہ کلیہ ۔ نتیجہ سالبہ جزئیہ

جیسے بعض الحیوان انسان، ولاشئی من الحیوان بجماد، فبعض الانسان لیس بجماد۔

ضرب سادس: صغریٰ موجبہ کلیہ ۔ کبریٰ سالبہ جزئیہ ۔ نتیجہ سالبہ جزئیہ

جیسے کل حیوان جسم ، وبعض الحیوان لیس بضاحک ،فبعض الجسم لیس بضاحک۔

شکل رابع: شکل رابع کے نتیجہ دینے کے لیے دوصورتیں ہیں

(۱) اختلاف المقدمتین فی الکیف وکلیة احداهما کہ دونوں مقدموں کا اختلاف ہونا ایجاب وسلب میں اور دونوں میں سے ایک کا کلیہ ہونا۔یعنی کہ ایک اگر موجبہ ہے تو دوسرا سالبہ ہو اور صغریٰ اور کبریٰ میں سے ایک کا کلیہ ہونا ضروری ہے ہو یعنی دونوں جزیئے نہ ہوں ورنہ وہ احتمال نتیجہ نہ دے گا۔

(۲) ایجاب مقدمتین وکلیة صغری یعنی صغریٰ اور کبریٰ دونوں موجبہ ہوں اور صغریٰ موجبہ ہوکر کلیہ بھی ہو۔ ورنہ نتیجہ نہیں دے گا۔

اس شکل رابع کی سولہ ضربیں ہیں جن میں آٹھ منتجہ اور آٹھ غیر منتجہ ہیں۔

نقشہ شکل رابع

صغریٰ	کبریٰ	نتیجہ	مثال صغریٰ	مثال کبریٰ	مثال نتیجہ
موجبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	موجبہ جزئیہ	کل انسان حساس	کل ناطق انسان	بعض الحساس ناطق
// //	موجبہ جزئیہ	موجبہ جزئیہ	کل انسان حیوان	بعض الحساس حیوان	بعض الحیوان حساس
// //	سالبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	کل انسان حیوان	لاشئی من الحجر بحیوان	بعض الحیوان لیس لحجر
// //	سالبہ جزئیہ	سالبہ جزئیہ	کل انسان جسم	بعض الحیوان لیس بانسان	بعض الجسم لیس بحیوان
موجبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	x	x	x	x
// //	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	بعض الحیوان انسان	لاشئی من الحجر بحیوان	بعض الانسان لیس لحجر
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
سالبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	سالبہ کلیہ	لاشئی من الحیوان بحجر	کل حساس حیوان	لاشئی من الحجر بحساس

// //	موجبہ جزئیہ	سالبہ جزئیہ	لاشئی من الانسان بحجر	بعض الحیوان انسان	بعض الحجر لیس بحیوان
//	سالبہ کلیہ	x	x	x	x
//					
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x
سالبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	سالبہ جزئیہ	بعض الحیوان لیس بانسان	کل کاتب حیوان	بعض الانسان لیس بکاتب
// //	موجبہ جزئیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ کلیہ	x	x	x	x
// //	سالبہ جزئیہ	x	x	x	x

چاروں شکلوں کا مشترک نقشہ ملاحظہ فرمائیں جو احتمال نتیجہ دے گا جس شکل کا بھی ہو اس کے سامنے ص لکھا جائے گا جو اس کے صحیح ہونے پر دلالت کرے گا اور جو احتمال نتیجہ نہیں دیں گے خواہ جس شکل کے بھی ہوں ان کے سامنے غ لکھا جائے گا جو اس کے غلط ہونے پر دلالت کرے گا۔

شکل رابع کی آٹھ ضروب منتجہ بمع امثلہ

ضرب اول: صغریٰ اور کبریٰ موجبہ کلیہ، ۔ نتیجہ موجبہ جزئیہ

کل انسان حساس و کل ناطق انسان فبعض الحساس ناطق۔

ضرب ثانی: صغریٰ موجبہ کلیہ، کبریٰ موجبہ جزئیہ نتیجہ موجبہ جزئیہ

کل انسان حیوان وبعض الابیض انسان فبعض الحیوان ابیض۔

ضرب ثالث: صغریٰ سالبہ کلیہ، کبریٰ موجبہ کلیہ نتیجہ سالبہ کلیہ

لاشئی من الحیوان بحجر و کل حساس حیوان فلاشئی من الحجر بحساس۔

ضرب رابع: صغریٰ موجبہ کلیہ، کبریٰ سالبہ کلیہ نتیجہ سالبہ جزئیہ

کل انسان جسم ولاشئی من الحجر بانسان فبعض الجسم لیس بحجر۔

ضرب خامس: صغریٰ موجبہ جزئیہ، کبریٰ سالبہ کلیہ نتیجہ سالبہ جزئیہ

بعض الحیوان انسان ولاشئی من الحجر بحیوان فبعض الحیوان لیس بحجر۔

ضرب سادس: صغریٰ سالبہ جزئیہ، کبریٰ موجبہ کلیہ نتیجہ سالبہ جزئیہ

بعض الحیوان لیس بانسان، وکل کاتب حیوان فبعض الانسان لیس بکاتب۔

ضرب سابع: صغریٰ موجبہ کلیہ، کبریٰ سالبہ جزئیہ نتیجہ سالبہ جزئیہ

کل انسان جسم وبعض الحیوان لیس بانسان فبعض الجسم لیس بحیوان۔

ضرب ثامن: صغریٰ سالبہ کلیہ، کبریٰ موجبہ جزئیہ نتیجہ سالبہ جزئیہ

لاشئی من الانسان بحجر و بعض الحیوان انسان فبعض الحجر لیس بحیوان۔

نقشہ اشکال اربعہ، صور صحیحہ وصور غیر صحیحہ

صغریٰ	کبریٰ	شکل اول	شکل ثانی	شکل ثالث	شکل رابع
موجبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	ص۱	غ	ص۱	ص۱
// //	موجبہ جزئیہ	غ	غ	ص۲	ص۲
// //	سالبہ کلیہ	ص۲	ص۱	ص۳	ص۳
// //	سالبہ جزئیہ	غ	غ	ص۴	ص۴
موجبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	ص۳	غ	ص۵	غ
/	موجبہ جزئیہ	غ	غ	غ	غ
/ //					
// //	سالبہ کلیہ	ص۴	ص۲	ص۶	ص۵
// //	سالبہ جزئیہ	غ	غ	غ	غ
سالبہ کلیہ	موجبہ کلیہ	غ	ص۳	غ	ص۶

// //	موجبہ جزئیہ	غ	غ	غ	ص ۷
// //	سالبہ کلیہ	غ	غ	غ	غ
// //	سالبہ جزئیہ	غ	غ	غ	غ
سالبہ جزئیہ	موجبہ کلیہ	غ	ص ۴	غ	ص ۸
// //	موجبہ جزئیہ	غ	غ	غ	غ
// //	سالبہ کلیہ	غ	غ	غ	غ
// //	سالبہ جزئیہ	غ	غ	غ	غ

فائدہ: چونکہ شکل ثالث اور شکل رابع کثیر الاستعمال نہیں تھیں اس لیے ان کے نتیجہ نکالنے کی شرط بیان نہیں کی اور شکل اول اور شکل ثانی کثیر الاستعمال تھے اس لیے ان کے نتیجہ دینے کی شرط بیان کی ہے۔

اشکال اربعہ کے مراتب

سوال: شکل اول اولیت کا درجہ کیوں دیا۔

جواب: اس لیے کہ اس کی ترتیب طبع سلیم کے موافق ہے طبع سلیم مقتضی ہے کہ پہلے حد اصغر پھر حد اوسط پھر حد اکبر ہو۔

سوال: شکل ثانی کو دوسرے درجہ میں رکھنے کا کیا باعث ہے؟

جواب: چونکہ یہ اشرف المقدمتین یعنی صغریٰ میں شکل اول کے ساتھ شریک ہے اس لیے اس کو ثانی درجہ پر رکھا ہے۔

سوال: شکل ثالث کو تیسرے مرتبہ پر کیوں رکھا ہے؟

جواب: اس لیے کہ ارذل المقدمتین ہے یعنی کبریٰ میں شکل اول کے ساتھ شریک ہے۔ لیکن اشرف المقدمتین میں نہیں

سوال: شکل رابع کو آخری مرتبہ پر کیوں رکھا ہے؟

جواب: شکل رابع چہارم مرتبہ پر اس لیے کہ یہ ارذل المقدمتین ہے کیونکہ یہ نہ تو کبری میں شکل اول کے ساتھ شریک ہے نہ اشرف المقدمتین میں اور اس میں اتنا بعد ہے کہ بعض اس کو شکل بھی نہیں کہتے۔

والقیاس الاقترانی اما من حملیتین کما مر و اما من متصلتین کقولنا ان کانت الشمس طالعة فالنھار موجود وکلما کان النھار موجودا فالارض مضیئة ینتج ان کانت الشمس طالعة فالارض مضیئة واما من منفصلتین کقولنا اکل عدد اما زوج اوفرد وکل زوج فھو اما زوج الزوج اوزوج الفرد ینتج کل عدد فھو اما فرد اوزوج الزوج اوزوج الفرد واما من حملیة ومتصلة کقولنا کلما کان ھذا انسانا فھو حیوان وکل حیوان فھو جسم ینتج کلما کان ھذا انسانا فھو جسم واما من حملیة ومنفصلة کقولنا کل عدد اما فرد اور زوج وکل زوج فھو منقسم بمتساویین ینتج کل عدد فھو اما فرد واما منقسم بمتساویین واما من متصلة ومنفصلة کقولنا کلما کان ھذا انسانا فھو حیوان وکل حیوان فھواما ابیض اواسود ینتج کلما کان ھذا انسانا فھو اما ابیض اواسود۔

ترجمہ: قیاس اقترانی یا تو دو قضیہ حملیہ سے مرکب ہوگا جیسا کہ اس کی مثال گزری۔ یا دو متصلہ سے مرکب ہوگا جیسے ہمارا قول کہ اگر سورج طلوع ہوگا تو دن موجود ہوگا اور جب دن موجود ہوگا تو زمین روشن ہوگی۔ نتیجہ اگر سورج طلوع ہوگا تو زمین روشن ہوگی اور یا دو منفصلہ سے مرکب ہوگا جیسے ہمارا قول کہ ہر عدد یا تو طاق ہوگا یا جفت اور ہر جفت یا تو جفت کا جفت ہوگا یا طاق کا جفت ہوگا۔ نتیجہ ہر عدد یا تو طاق ہوگا یا جفت کا جفت ہوگا یا طاق کا جفت ہوگا اور یا ایک حملیہ اور ایک متصلہ سے مرکب ہوگا جیسے ہمارا قول کہ جب بھی یہ انسان ہوگا تو حیوان ہوگا اور ہر حیوان جسم ہے۔ نتیجہ جب بھی یہ انسان ہوگا تو جسم ہوگا اور یا ایک حملیہ اور ایک منفصلہ سے مرکب ہوگا جیسے ہمارا قول ہر عدد یا تو طاق ہوگا یا جفت اور ہر جفت دو برابر حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ نتیجہ ہر عدد یا تو طاق ہوگا یا دو برابر حصوں میں تقسیم ہوگا اور یا ایک متصلہ اور ایک منفصلہ سے مرکب ہوگا جیسے ہمارا قول جب

بھی یہ انسان ہوگا تو حیوان ہوگا اور ہر حیوان یا تو سفید ہوگا یا کالا ہوگا۔ نتیجہ جب بھی یہ انسان ہوگا تو وہ یا تو سفید ہوگا یا کالا ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف "قیاس اقترانی کی ترکیب کے چھ احتمال بیان کررہے ہیں۔

(۱) دونوں حملیے ہوں۔ (۲) دونوں شرطیہ متصلہ ہوں۔

(۳) دونوں شرطیہ منفصلہ ہوں۔ (۴) ایک حملیہ ہو دوسرا متصلہ ہو۔

(۵) ایک حملیہ ہو دوسرا منفصلہ ہو (۶) ایک متصلہ ہو دوسرا منفصلہ ہو۔

امثلہ

(۱) دونوں حملیے ہوں مثال۔ کل جسم مرکب۔ کل مرکب حادث

نتیجہ فکل جسم حادث

(۲) دونوں شرطیہ متصلہ ہوں مثال۔ صغریٰ: ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود

کبریٰ۔ کلما کان النهار موجوداً فالارض مضيئة

نتیجہ ان کانت الشمس طالعة فالارض مضيئة

(۳) دونوں منفصلہ ہوں۔ مثال۔ صغریٰ۔ کل عدد اما زوج اوفرد

کبریٰ۔ وکل زوج فهو اما زوج الزوج اوزوج الفرد

نتیجہ کل عدد فهو اما فرد اوزوج الزوج اوزوج الفرد

(۴) ایک حملیہ ہو دوسرا متصلہ ہو۔ مثال۔ صغریٰ۔ کلما کان هذا انساناً فهو حيوان۔

کبریٰ۔ کل حيوان فهو جسم۔ نتیجہ کلما کان هذا انساناً فهو جسم

(۵) ایک حملیہ ہو دوسرا منفصلہ ہو۔ مثال۔ صغریٰ۔ کل عدد اما فرد اوزوج

کبریٰ۔ کل زوج فهو منقسم بمتساويين۔ نتیجہ کل عدد فهو اما فرد واما منقسم بمتساويين۔

(۶) ایک متصلہ ہو دوسرا منفصلہ ہو۔ مثال۔ صغریٰ۔ کلما کان هذا انساناً فهو حیوان

کبریٰ۔ کل حیوان فهو اما ابیض اواسود۔

نتیجہ۔ کلما کان هذا انساناً فهواما ابیض اواسود۔

سوال: اگر قیاس اقترانی دو قضیہ شرطیہ یعنی متصلہ یا منفصلہ یا ایک متصلہ اور ایک منفصلہ سے مل کر بنے تو اس کو شرطیہ کہنا صحیح ہے۔ لیکن اگر ایک حملیہ ہو اور دوسرا متصلہ یا منفصلہ ہو تو اس کو شرطی کہنا کیسے صحیح ہوا۔

جواب: قیاس شرطی کے ایک حملیہ اور دوسرا شرطیہ سے مرکب ہونے کو شرطیہ تسمیہ الکل باسم الجزء الاعظم کے تحت کہا گیا ہے یعنی کل کا نام رکھنا جزء اعظم کے نام پر اور جزء اعظم شرطیہ ہے۔ اس لیے اس قیاس کو بھی شرطیہ کہتے ہیں۔

فائدہ: بعض نے قیاس اقترانی کی ترکیب میں نو احتمال نکالے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) دو حملیہ سے مرکب ہو۔ (۲) دو متصلہ سے مرکب ہو۔ (۳) دو منفصلہ سے مرکب ہو۔ (۴) اول حملیہ ہو اور دوسرا متصلہ ہو۔ (۵) اول حملیہ ہو اور دوسرا منفصلہ ہو۔ (۶) اول متصلہ ہو اور دوسرا منفصلہ ہو۔ (۷) اول متصلہ ہو اور دوسرا حملیہ ہو۔ (۸) اول منفصلہ ہو اور دوسرا حملیہ ہو۔ (۹) اول منفصلہ ہو اور دوسرا متصلہ ہو۔ یہ کل نو احتمالات ہوئے یعنی انہوں نے ایساغوجی میں مذکورہ آخری تین احتمالات میں تقدیم وتاخیر کے فرق کا اعتبار کیا ہے جن کا نقشہ درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	صغریٰ	کبریٰ	نمبر شمار	صغریٰ	کبریٰ	نمبر شمار	صغریٰ	کبریٰ
۱	حملیہ	حملیہ	۴	متصلہ	متصلہ	۷	منفصلہ	منفصلہ
۲	حملیہ	متصلہ	۵	متصلہ	منفصلہ	۸	منفصلہ	متصلہ
۳	حملیہ	منفصلہ	۶	متصلہ	حملیہ	۹	منفصلہ	حملیہ

سوال: زوج الزوج اور زوج الفرد کس کو کہتے ہیں؟

جواب: جو عدد کہ منقسم بمتساویین ہو وہ ضرور تنصیف کو قبول کرے گا۔ اب وہ ایک ہی دفعہ تنصیف کو قبول کرے گا یا زیادہ مرتبہ پہلا زوج الفرد جیسے دس کا عدد نصف پانچ ہے اس سے آگے قابل تنصیف نہیں اور دوسری میں دیکھیں گے کہ منتھی الی الواحد ہے یا نہ۔

پہلے کو زوج الزوج کہتے ہیں جیسا کہ چار کا عدد اس کا نصف دو اور دو کا ایک۔

اور دوسرے کو زوج الزوج والفرد کہیں گے۔ جیسے بارہ کا عدد اس کا نصف چھ اور اس کا نصف تین اور آگے سلسلہ بند ہے۔

واما القیاس الاستثنائی فالشرطیة الموضوعة فیه ان کانت متصلة فاستثناء المقدم ینتج عی التالی کقولنا ان کان هذا انسانا فهو حیوان لکنه انسان فیکون حیوانا واستثناء نقیض التالی ینتج نقیض المقدم کقولنا ان کان هذا انسانا فهو حیوان لکنه لیس بحیوان فلایکون انساناً۔

ترجمہ: قیاس استثنائی میں جو شرطیہ ہوتا ہے اگر وہ متصلہ ہو تو عین مقدم کا استثناء کرنے سے نتیجہ عین تالی آئے گا جیسے ہمارا قول کہ اگر یہ انسان ہے تو حیوان بھی ہے لیکن وہ انسان ہے پس وہ حیوان ہے۔ اور تالی کی نقیض کا استثناء کرنے سے نتیجہ مقدم کی نقیض آئے گا جیسے ہمارا قول کہ اگر یہ انسان ہے تو حیوان بھی ہے لیکن وہ حیوان نہیں ہے۔ پس وہ انسان نہیں ہے۔

قیاس استثنائی: وہ قیاس ہے جو دو قضیوں سے مرکب ہو اور پہلا قضیہ شرطیہ اور ان دونوں قضیوں کے درمیان حرف لکن ہو اور نتیجہ یا نقیض نتیجہ بعینہ پہلے سے قیاس میں مذکور ہو۔ جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا لیکن سورج موجود ہے۔ نتیجہ پس دن موجود ہے۔

قیاس استثنائی کی منطق میں بڑی ضرورت پڑتی ہے سب سے پہلے چند فوائد ذکر کیے جاتے ہیں۔

ضابطہ: قیاس استثنائی میں قضیہ اول شرطیہ ہوگا پھر یا متصلہ لزومیہ ہوگا یا منفصلہ عنادیہ حقیقیہ ہوگا یا منفصلہ عنادیہ مانعۃ الجمع ہوگا یا منفصلہ عنادیہ مانعۃ الخلو ہوگا۔ یہ چار احتمال صغریٰ میں

ہیں جن میں نتیجہ آئے گا اور چار میں نتیجہ نہیں آئے وہ چار جن میں نتیجہ نہیں آئے گا وہ یہ ہیں۔ قضیہ اول متصلہ اتفاقیہ ہو۔ یا منفصلہ اتفاقیہ حقیقیہ ہو۔ یا منفصلہ اتفاقیہ مانعۃ الجمع ہو۔ یا منفصلہ اتفاقیہ مانعۃ الخلو ہو۔ یعنی صغریٰ ان چاروں میں سے کوئی ہو۔

ضابطہ: قیاس استثنائی میں کبریٰ باہر سے نہیں آتا بلکہ صغریٰ ہی سے لیا جاتا ہے پھر کبریٰ یا عین مقدم ہوگا یا عین تالی ہوگا یا نقیض مقدم ہوگا یا نقیض تالی ہوگا۔

ضابطہ: قیاس استثنائی میں نتیجہ باہر سے نہیں آتا بلکہ صغریٰ ہی میں موجود ہوتا ہے تو نتیجہ یا عین مقدم ہوگا یا عین تالی یا نقیض مقدم یا نقیض تالی ہوگا۔

ضابطہ: قیاس استثنائی میں کبریٰ حرف استثناء کے بعد واقع ہوتا ہے اس لیے اس کو استثنائی کہتے ہیں۔

نتیجہ نکالنے کا طریقہ

قیاس استثنائی میں جو قضیہ شرطیہ ہے اگر وہ متصلہ ہو تو اس کے استثناء کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) عین مقدم کا استثناء۔ (۲) عین تالی کا استثناء۔ (۳) نقیض مقدم کا استثناء (۴) نقیض تالی کا استثناء۔ صرف پہلی اور چوتھی صورت میں نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔

پہلی صورت میں نتیجہ عین تالی ہوگا اور چوتھی صورت میں نتیجہ نقیض مقدم ہوگا۔

جس کی توضیح یہ ہے۔

استثناء عین مقدم: جیسے ان کان ھذا انسانا فھو حیوان لکنه انسان تو نتیجہ حاصل ہوگا فیکون حیوانا اس لیے کہ عین مقدم کے استثناء سے نتیجہ عین تالی آتا ہے۔

اور عین تالی فیکون حیوانا ہے کیونکہ حیوان لازم ہے۔ اور انسان ملزوم ہے اور وجود ملزوم مستلزم ہوتا ہے وجود لازم کو۔

استثناء نقیض مقدم: جیسے ان کان ھذا انسانا فھو حیوان لکنه لیس بانسان۔ اس سے نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ مقدم کی نقیض کے استثناء سے نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ

انسان ملزوم ہے اور حیوان لازم ہے اور انتفائے ملزوم مستلزم نہیں ہے انتفائے لازم کو۔

استثناء عین تالی : جیسے **ان کان ھذا انسانا فھو حیوان لکنه حیوان** ۔ پس اس سے نتیجہ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ حیوان لازم ہے اور انسان ملزوم ہے اور وجود لازم مستلزم نہیں ہے وجود ملزوم کو۔ نیز اس لیے کہ لازم عام ہے اور ملزوم خاص ہے اور وجود عام وجود خاص کو مستلزم نہیں ہوتا۔

استثناء نقیض تالی : جیسے **ان کان ھذا انسانا فھو حیوان لکنه لیس بحیوان** اس سے نتیجہ حاصل ہوگا کہ **فھو لیس بانسان** اس لیے حیوان لازم ہے اور انسان ملزوم ہے اور انتفائے لازم مستلزم ہے انتفائے لازم کو۔

فائدہ: اور یہ (یعنی پہلی اور چوتھی صورت کا نتیجہ دینا اور دوسری اور تیسری صورت کا نتیجہ نہ دینا) اس وقت ہے۔ جب لازم ملزوم سے اعم ہو۔ جیسے مذکورہ بالا مثال میں واضح ہے۔

اور اگر لازم ملزوم کے مساوی ہو تو پھر استثناء کی چاروں صورتیں منتج ہوں گی جیسے اگر یہ شئی انسان ہے تو ناطق بھی ہوگا، لیکن چونکہ منطق کے قوانین کلی ہوتے ہیں اور ان میں کسی قسم کے استثناء کا اعتبار نہیں ہوتا، اس لیے قانون یہی بنایا گیا ہے کہ قیاس استثنائی میں قضیہ متصلہ ہونے کی صورت میں صرف پہلی اور چوتھی صورت منتج ہوگی جب کہ دوسری اور تیسری صورت منتج نہیں ہوگی۔

وان کانت منفصلة حقیقة فاستثناء احد الجزئین ینتج نقیض الآخر واستثناء نقیض احدھما ینتج عین الآخر۔

اور اگر وہ شرطیہ (جو قیاس استثنائی میں ہے) منفصلہ حقیقیہ ہو تو کسی ایک جزء (یعنی عین مقدم یا عین تالی) کا استثناء کرنے سے نتیجہ دوسرے جزء کی نقیض آئے گا اور کسی ایک کی نقیض کا استثناء کرنے سے نتیجہ عین آخر آئے گا۔

اگر قیاس استثنائی میں قضیہ منفصلہ ہو تو اس کے استثناء کی حالتیں

اور قیاس استثنائی میں جو قضیہ شرطیہ ہے اگر وہ قضیہ منفصلہ ہو تو وہ حقیقیہ ہوگا یا مانعۃ الجمع ہوگا یا مانعۃ الخلو ہوگا۔ اگر قضیہ منفصلہ حقیقیہ ہو تو اس کے کسی بھی جزء کا استثناء نتیجہ دے گا نقیض آخر کا کیونکہ دونوں کا اجتماع ممنوع ہے، جیسے یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق ہے، لیکن یہ جفت ہے۔ پس نتیجہ ہوگا یہ طاق نہیں۔ اور اگر اس کی کسی بھی جزء کی نقیض کا استثناء کرو تو نتیجہ عین آخر کا حاصل ہوگا کیونکہ دونوں کا ارتفاع بھی ممنوع ہے۔ جیسے یہ عدد یا تو زوج ہے یا فرد ہے لیکن یہ فرد نہیں ہے۔ پس نتیجہ ہوگا یہ زوج ہے۔

وعلى هذا مانعة الجمع ومانعة الخلو

ترجمہ اسی (اصول پر) مانعۃ الجمع اور مانعۃ الخلو ہیں۔

تشریح : اور اگر قیاس استثنائی میں قضیہ منفصلہ مانعۃ الجمع ہو تو اس کے کسی بھی جزء کے عین کا استثناء نتیجہ دے گا نقیض آخر کا کیونکہ دونوں کا اجتماع ممنوع ہے جیسے یہ شئی یا تو درخت ہے یا پتھر ہے لیکن یہ پتھر ہے۔ پس یہ درخت نہیں اور اس کا عکس ہو تو پھر نتیجہ حاصل نہیں ہوگا یعنی مانعۃ الجمع کے کسی ایک جزء کی نقیض کا استثناء عین آخر کا نتیجہ نہیں دے گا کیونکہ دونوں کا ارتفاع ممتنع نہیں ہے۔ جیسے یہ شئی یا تو درخت ہے یا پتھر ہے لیکن یہ پتھر نہیں۔ پس یہ ضروری نہیں ہوگا کہ یہ درخت ہے۔ اس لیے کہ اجتماع تو ممتنع ہے البتہ دونوں کا عدم ممتنع نہیں بلکہ ممکن ہے۔

اور اگر قیاس استثنائی میں قضیہ مانعۃ الخلو ہو تو اس کے ایک جزء کی نقیض کا استثناء کرنے سے نتیجہ عین آخر کا حاصل ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا ارتفاع ممنوع ہے۔ جیسے یہ شئی یا تو لاحجر ہے یا لاشجر ہے۔ لیکن یہ لاشجر نہیں، پس معلوم ہوا کہ یہ لاحجر ہے۔

اور اگر مانعۃ الخلو کے کسی ایک جزء کے عین کا استثناء کرو تو پھر نتیجہ نقیض آخر نہیں آئے گا کیونکہ دونوں کا اجتماع ممتنع نہیں۔ جیسے یہ شئی یا تو لاشجر ہے یا لاحجر ہے۔ لیکن یہ لاحجر ہے۔ پس نتیجہ نہیں ہوگا کہ یہ شئی لاشجر نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لاشجر ہو۔

اگر مقدمہ اول قضیہ شرطیہ متصلہ ہو تو مقدمہ ثانی یا عین مقدم ہوگا یا عین تالی یا نقیض مقدم یا نقیض تالی، اسی طرح حقیقیہ اور مانعۃ الجمع و مانعۃ الخلو میں تو کل سولہ احتمال بنتے ہیں دس نتیجہ دیں گے باقی چھ نہیں دیں گے۔ پھر اگر مقدمہ اول قضیہ شرطیہ متصلہ ہے تو پھر کبری کو دیکھیں گے کہ عین مقدم ہے یا عین تالی یا نقیض مقدم یا نقیض تالی۔ اگر کبری عین مقدم ہے تو نتیجہ عینا تالی آئے گا اور اگر عین تالی ہے تو نتیجہ عین مقدم آئے گا۔ اگر کبری عین تالی ہے تو نتیجہ عین مقدم نہیں آئے گا کیونکہ تالی مقدم سے عام ہو سکتا ہے اسی طرح نقیض مقدم کے استثناء سے نقیض تالی نتیجہ نہیں آئے گا کیونکہ تالی مقدم سے عام ہو سکتا ہے گویا کہ اول چار احتمالوں میں سے ۱،۴ احتمالات نتیجہ دیں گے باقی دو نہیں دیں گے۔ اور اگر کبری نقیض مقدم ہے تو نتیجہ نقیض تالی آئے گا اگر نقیض تالی ہے تو پھر نتیجہ نقیض مقدم آئے گا اور اگر کبری نقیض مقدم ہے تو نتیجہ عین تالی آئے گا، اگر کبری نقیض تالی ہے تو پھر نتیجہ عین مقدم آئے گا۔

نقشہ برائے قیاس استثنائی فی صورۃ النتیجہ وعدم صورۃ النتیجہ

صغری	کبری	نتیجہ	مثال صغری	مثال کبری	مثال نتیجہ
شرطیہ متصلہ	عین مقدم	عین تالی	ان کان هذا انساناً فهو حیوان	لکنه انسان	فهو حیوان
// //	عین تالی	x	x	x	x
// //	نقیض مقدم	x	x	x	x
// //	نقیض تالی	نقیض مقدم	ان کان هذا انساناً فهو حیوان	لکنه لیس بحیوان	فهو لیس بانسان

شرطیہ حقیقیہ	عین مقدم	نقیض تالی	اماهذا العدد اما ان یکون زوجاً اوفوداً	لکنه زوج	فهولیس بفرد
// //	عین تالی	نقیض مقدم	// //	لکنه فرد	فهولیس بزوج
// //	نقیض مقدم	عین تالی	// //	لکنه لیس بفرد	فهو زوج
// //	نقیض تالی	عین مقدم	// //	لکنه لیس بفرد	فهوزوج
منفصلہ مانعۃ الجمع	عین مقدم	نقیض تالی	هذاالشئی اما ان یکون شجراً اوحجراً	لکنه شجر	فهولیس بحجر
// //	عین تالی	نقیض مقدم	// //	لکنه حجر	فهولیس بشجر
// //	نقیض مقدم	x	x	x	x
// //	نقیض تالی	x	x	x	x
منفصلہ مانعۃ الخلو	عین مقدم	x	x	x	x
// //	عین تالی	x	x	x	x

// //	نقیض مقدم	عین تالی	هذالشئی اما ان یکون لاشجراً اولاحجراً	لکنه شجر	فهولاحجر
// //	نقیض تالی	عین مقدم	هذالشئی اما ان یکون لاشجراً اولاحجراً	لکنه حجر	فهولاشجر

فصل البرھان

اب تک قیاس کی ظاہری شکل کو دیکھا گیا تھا اب یہاں سے مصنفؒ مادہ قیاس کو بیان کررہے ہیں۔ قیاس باعتبار مادہ کے پانچ قسم پر ہے جن کو صناعات خمسہ کہتے ہیں۔(۱) قیاس برہان (۲) قیاس جدلی (۳) قیاس خطابی (۴) قیاس شعری (۵) قیاس مغالطہ یا سفسطی۔

مادہ قیاس کے مضامین ومعانی کو کہا جاتا ہے۔

وجہ حصر: ان پانچ قسموں کی وجہ حصر صرف مولوی بحرالعلوم نے بیان کی ہے جو دل کو بھی لگتی ہے اور کسی نے بیان نہیں کی، وجہ حصر یہ ہے کہ مادہ قیاس یا یقینی ہوگا یا ظنی ہوگا یا خیالی یا غلط، پھر یقینی ہو کر حقیقت کے اعتبار سے سچا ہوگا یا شہرت کی وجہ سے سچا ہوگا اگر حقیقت کے اعتبار سے سچا ہے تو اسے قیاس برہان کہتے ہیں شہرت کی وجہ سے سچا ہے تو اسے قیاس جدلی کہتے ہیں، پھر اگر مادہ قیاس ظنی ہے تو اسے قیاس خطابی کہتے ہیں اگر مادہ قیاس خیالی ہے تو اسے قیاس مغالطہ یا سفسطی کہتے ہیں۔

البرھان وھو قول مؤلف من مقدمات یقینیة لانتاج یقین والیقینیات اقسام ستة احدھا اولیات کقولنا الواحد نصف الاثنین و الکل اعظم من الجزء ومشاھدات نحو الشمس مشرقة والنار محرقة ومجربات کقولنا السقمونا مسھل للصفراء وحدسیات کقولنا نور القمر مستفاد من نور الشمس ومتواترات کقولنا محمد رسول اللہ ﷺ ادعی النبوة واظھر المعجزات علی یدہ وقضایا قیاساتھا معھا کقولنا الاربعة زوج بسبب وسط حاضر فی الذھن وھو الانقسام بمتساویین۔

ترجمہ برہان وہ قیاس ہے جو مرکب ہوتا ہے ایسے مقدمات سے جو یقینی ہوتے ہیں تاکہ یقینی نتیجہ حاصل ہو۔ یقینیات کی چھ قسمیں ہیں۔ ان میں سے پہلی اولیات ہے جیسے ہمارا قول ایک دو کا نصف ہے اور کل اپنے جزء سے بڑا ہے۔ اور دوسری قسم مشاہدات ہے جیسے سورج روشن ہے اور آگ جلانے والی ہے اور تیسری قسم تجربیات ہے جیسے ہمارا قول کہ سقمونیا (بذریعہ دست) صفراء کو

زائل کرنے والی ہے۔ چوتھی قسم حدسیات ہے، جیسے ہمارا قول کہ چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل شدہ ہے۔ پانچویں قسم متواترات ہے جیسے ہمارا قول محمد ﷺ نے نبوت کا دعوی کیا اور اپنے ہاتھ پر معجزات کو ظاہر فرمایا۔

چھٹی قسم وہ قضیے ہیں جن کی دلیل ان کے ساتھ ہوتی ہے (اسے فطریات کہتے ہیں) جیسے ہمارا قول کہ چار جفت ہے۔ بسبب اس دلیل کے جو ذہن میں حاضر ہے یعنی جفت دو برابر حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

تشریح: قیاس کی باعتبار مادہ کے پانچ قسمیں ہیں جن کو صناعات خمسہ کہتے ہیں تو اس عبارت میں قیاس برہانی کی تعریف اور یقینیات کی اقسام کو بیان کر رہے ہیں۔

قیاس برھانی کی تعریف: وہ قیاس ہے جو مقدمات یقینیہ سے مرکب ہو خواہ وہ مقدمات بدیہی ہوں یا نظری ہوں اور اس کا نتیجہ بھی یقینی ہو، مثال۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور ہر اللہ کا رسول واجب الاطاعت ہے پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجب الاطاعت ہیں۔

فائدہ: نتیجہ قیاس کے صحیح و یقینی ہونا مقدمات یقینیہ پر منحصر ہے مقدمات اگر یقینیہ ہیں تو نتیجہ بھی یقینی ہوگا اگر مقدمات ظنی یا خیالی یا جھوٹے ہیں تو پھر نتیجہ بھی ویسا ہوگا۔

قیاس برہان میں مقدمات یقینیہ سے مراد حقیقت کے اعتبار سے یقینی ہونا ہے۔

فائدہ: قیاس برہانی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) دلیل لمی۔ (۲) دلیل انی۔

دلیل لمی: قیاس میں جو ہمیں نتیجہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اس کی علت حد اوسط ہوتی ہے۔ پھر اس علت کو دیکھا جائے گا۔ کہ حد اوسط حقیقت میں اس علم کی بھی علت ہے یا نہیں۔

اگر حقیقت میں بھی علت ہو اس کو دلیل لمی کہتے ہیں۔ جیسے زمین دھوپ والی ہے۔ ہر دھوپ والی

چیز روشن ہوتی ہے۔ نتیجہ زمین روشن ہے۔

دلیل انی: اگر حداوسط حقیقت میں علت نہ ہو بلکہ صرف ہمارے علم میں علت ہو تو اس کو دلیل انی کہتے ہیں۔ جیسے کمرہ روشن ہے، ہر روشن چیز دھوپ والی ہوتی ہے۔ نتیجہ کمرہ دھوپ والا ہے۔ دوسری مثال جیسے دھویں کو دیکھ کر آگ کا حکم لگا دینا۔

خلاصہ: یہ ہے کہ حکم کو اس کی علت واقعہ سے ثابت کرنا۔ اس کو دلیل لمی کہتے ہیں اور کسی حکم کو اس کی علامت سے ثابت کر کرنا۔ اس کو دلیل انی کہتے ہیں۔

یقینیات (بدیہیات) کی چھ قسمیں ہیں۔ (۱) اولیات۔ (۲) فطریات۔ (۳) حدسیات۔ (۴) مشاہدات۔ (۵) تجربیات۔ (۶) متواترات۔

اولیات: وہ قضیے ہیں جن کے موضوع اور محمول کے ذہن میں آتے ہی عقل ان کو تسلیم کر لے جیسے الکل اعظم من الجزء۔

فطریات: وہ قضیے ہیں کہ جب وہ ذہن میں آئیں تو دلیل بھی ذہن سے غائب نہیں ہوتی جیسے چار جفت ہے۔

حدسیات: وہ قضیے ہیں کہ ذہن ان کی دلیلوں کی طرف جائے لیکن صغری اور کبری ملانے کی ضرورت نہ ہو۔ جیسے چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔

مشاہدات: وہ قضیے ہیں کہ جن میں حواس ظاہرہ یا باطنہ کے ذریعے حکم لگایا جائے، جیسے سورج روشن ہے۔

فائدہ: حواس ظاہرہ پانچ ہیں (۱) قوت باصرہ (۲) سامعہ (۳) شامہ (۴) ذائقہ (۵) لامسہ۔

اور حواس باطنہ بھی پانچ ہیں (۱) مشترک (۲) خیال (۳) وہم (۴) حافظہ (۵) متصرفہ۔

تجربیات: وہ قضیے ہیں کہ ایک بات کو کئی مرتبہ آزما کر عقل اس میں حکم لگائے۔ جیسے گل بنفشہ نزلہ کے لیے مفید ہے۔ اور سقمونیا صفراء کو زائل کرتی ہے۔

متواترات : وہ قضیے ہیں کہ جس کے یقینی ہونے کا حکم ایک ایسی جماعت کے کہنے سے لگایا گیا ہو کہ اس جماعت کا جھوٹا ہونا یا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔ جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کی نبوت اور معجزات۔

وجہ تسمیہ : برہان کا معنی ہے غلبہ تو اس میں بھی مخالف پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو برہان کہتے ہیں۔

والجدل وهوقول مؤلف من مقدمات مشهورة والخطابةو هوقول مؤلف من مقدمات مقبولة من شخص معتقدبه اومظنونة والشعر وهوقياس مؤلف من مقدمات تنبسط منها النفس اوتنقبض والمغالطة هوقياس مؤلف من مقدمات كاذبة شبيهة بالحق اوبالمشهور اومن مقدمات وهمية والعمدة هى البرهان لاغير ولكن هذا اخر الرسالة متلبسا بحمد من له البداية واليه النهاية

ترجمہ قیاس جدلی وہ قیاس ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو جو مشہور ہیں۔

قیاس خطابی وہ قیاس ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو جو کسی رہنماء اور قابل اعتماد شخص کے نزدیک مقبول ہوں یا وہ مقدمات گمان واٹکل پر مبنی ہوں۔

قیاس شعری وہ قیاس ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو جس سے انسانی نفس (خوشی کی وجہ سے) کھل جائے یا (غم کی وجہ سے) منقبض ہو جائے یعنی بجھ جائے۔

قیاس مغالطہ وہ قیاس ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو جو حقیقی اور مشہور مقدمات کے مشابہ ہوں یا وہ مقدمات وہمی اور جھوٹے ہوں۔ ان قسموں میں سے اصل قیاس برہان ہی ہے نہ کہ کوئی اور۔ چاہیے کہ یہ بات رسالہ کا آخر ہو جائے اس ذات کی تعریف کرتے ہوئے جس کے لیے ابتداء ہے اور اسی کی طرف تمام چیزوں کی انتہاء وانجام ہے۔

تشریح: مصنفؒ اس آخری عبارت میں سے قیاس کی باقی اقسام کو بیان فرماتے ہیں۔

قیاس جدلی کی تعریف : وہ قیاس ہے جو مقدمات مشہورہ سے مل کر بنے یا ایسے

مقدمات سے جو کسی جماعت کے ہاں تسلیم شدہ ہوں۔ خواہ وہ مقدمات جھوٹے ہوں یا سچے ہوں جیسے ہندوؤں کا قول ہے۔ گائے مقدس جانور ہے اور ہر مقدس جانور کا کھانا حرام ہے، نتیجہ۔ لہذا گائے کا کھانا حرام ہے۔

وجہ تسمیہ : جدل کا معنی ہے جھگڑا، تو قیاس جدلی اکثر طور پر جھگڑوں اور مناظروں میں استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کو قیاس جدلی کہتے ہیں۔

قیاس خطابی کی تعریف : وہ قیاس ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو۔ جو کسی قابل اعتبار رہنما کے نزدیک مقبول ہوں یا جن کا غالب گمان صحیح ہونے کا ہو، جیسے زراعت نفع کی شئی ہے۔ اور ہر نفع کی شئی قابل اختیار ہوتی ہے۔ پس زراعت قابل اختیار ہے۔

وجہ تسمیہ: اکثر طور پر خطاب میں استعمال ہوتا ہے۔

قیاس شعری کی تعریف : وہ قیاس ہے جو ایسے مقدمات سے مرکب ہو۔ جن کو سن کر آدمی کی طبعیت خوش ہو جائے یا بدمزہ ہو جائے خواہ وہ مقدمات سچے ہوں یا جھوٹے ہوں جیسے زید چاند ہے۔ اور ہر چاند روشن ہے۔ پس زید روشن ہے۔

وجہ تسمیہ : یہ قیاس شعری اکثر طور پر اشعار میں استعمال ہوتا ہے اس لیے اسکو قیاس شعری کہتے ہیں۔

قیاس مغالطہ کی تعریف : وہ قیاس ہے کہ جو جھوٹے وغلط مقدمات سے مرکب ہو پھر غلطی کی تین قسمیں ہیں (۱) یا مغالطہ اس وجہ سے ہوگا کہ وہ چیز حق تو نہ ہو مگر حق کے مشابہ ہو جیسے کسی نے گھوڑے کی تصویر دیکھ کر کہا کہ یہ گھوڑا ہے اور ہر گھوڑا ہنہنانے والا ہوتا ہے پس یہ تصویر ہنہنانے والی ہے (۲) یا تو مغالطہ اس وجہ سے ہوگا کہ وہ چیز مشہور چیز کے ساتھ مشابہت رکھتی ہوگی جیسے یہ مشہور ہے کہ رات کو باہر پھرنے والا آوارہ چور ہوتا ہے زید رات کو باہر پھرتا ہے لہذا زید چور ہے (۳) یا تو مغالطہ اس وجہ سے ہوگا کہ وہ مقدمات وہمیہ ہوں گے جیسے کوئی کہے العالم مستغن عن الموثر وکل ماھو مستغن عن الموثر فھوقدیم ۔ نتیجہ۔ فالعالم قدیم۔

وجہ تسمیہ : اس وجہ سے کہ اس کے اندر مقدمات جھوٹے وغلط ہوتے ہیں اس کا دوسرا نام سفسطی ہے بمعنی جھوٹ یا وہم، اسی نام سے باطل فرقہ سفسطائیہ ہے۔ جن کا نظریہ یہ ہے کہ یہ عالم ایک خواب وخیال ہے حقیقت کچھ نہیں ہے۔ یہ بدیہات کا انکار کرتے ہیں۔ اور عقلی ونقلی دلائل نہیں مانتے۔ اس فرقہ کا علاج یہ ہے کہ انکو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا جائے۔ جب یہ چیخیں تو ان کو کہا جا۔ کہ یہ ایک تو خواب ہے تم چیختے کیوں ہو۔

والعمدة هي البرهان : ان پانچ قیاسوں میں سے سب سے اعلی وعمدہ قیاس، قیاس برہان ہے۔ کیونکہ وہ مفید یقین ہے۔ جب کہ باقیوں میں سے بعض مفید ظن ہیں اور بعض مفید ظن بھی نہیں۔

ولكن هذا آخر الرسالة متلبساً بحمد من له البداية واليه النهاية:

مصنفؒ نے کتاب کو شروع بھی حمد کے ساتھ کیا اور کتاب کا اختتام بھی حمد کے ساتھ کر رہے ہیں۔ نیز کتاب کا اختتام ہے ادھر کتاب کے آخری لفظ بھی النہایہ ہے جو کہ بمعنی اختتام کے ہے تو یہ حسن اختتام ہوا۔

واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم